ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
مارچ ۱۹۸۴ء

ٹیلیفون: 616001 سے 616005

مجلسِ ادارت

جمادی الآخر ــــ ۱۴۰۴ ہجری
مارچ ــــ ۱۹۸۴ عیسوی
جلد ــــ ۳۲
شمارہ ــــ ۳

قیمت فی شمارہ ــــ ۳ رُپے
سالانہ ــــ ۳۰ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۶۶ رُپے

پتا: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ۔ ناظم آباد، کراچی ۱۸
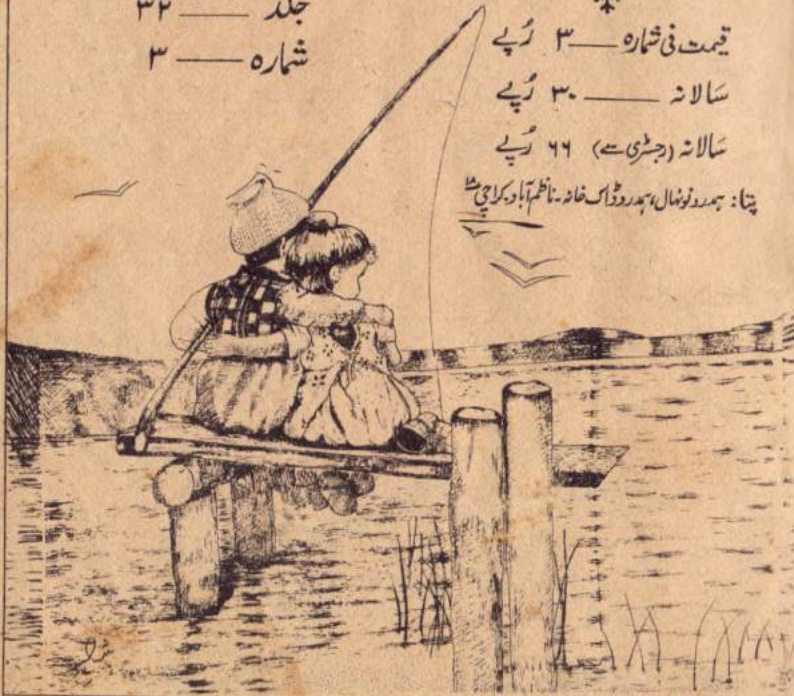
ہمدرد فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا کیا ہے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

جاگو جگاؤ

جب کسی کام کا ارادہ کر لیا جائے تو سمجھنا چاہیے کہ آدھا کام ہو گیا۔ شرط یہ ہے کہ ارادہ پکّا ہو۔ اسی کو عزم یا عزم بالجزم کہتے ہیں۔ ارادہ ہی پہلی چیز ہے۔ ارادہ پکّا اور سچّا نہ ہو تو کام بھی نہیں ہوتا۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لیڈروں نے ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء کو یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے علاحدہ ملک بنائیں گے۔ اسی تاریخ کو لاہور میں مسلم لیگ کے اجلاس میں وہ قرارداد منظور کی گئی تھی جس کو اب "قراردادِ پاکستان" کہا جاتا ہے۔ اس قرارداد میں مسلمانوں کے لیے ایک آزاد اور خود مختار ملک بنانے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ یہ قرارداد اصل میں مسلمانوں کا عزم تھا۔ نیت سچّی تھی اور ارادہ پکا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کام یابی دی۔

اب پاکستان کو بنے ہوئے ۳۷ سال گزر چکے ہیں، مگر پاکستان ویسا نہیں بنا جیسا بننا چاہیے تھا اور بننا چاہیے، یعنی ہم میں وہ خوبیاں نہیں ہیں جو پاکستان کو سچا پاکستان بنانے کے لیے ہونی چاہییں۔ ہم پاکستانیوں میں محنت، دیانت، سچائی، کفایت کی عادت اتنی نہیں ہے جتنی ہونی چاہیے۔

وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ارادے کی کمی ہے۔ اگر ہم ارادہ کر لیں کہ ہم اچھے اور سچّے پاکستانی بن کر پاکستان کی بھلائی اور ترقی کے لیے دل و جان سے کام کریں گے تو ہمارا یہ ارادہ ضرور پورا ہوگا اور ہم اپنا یہ مقصد بھی اُسی طرح حاصل کر لیں گے جس طرح ہم نے پاکستان حاصل کیا تھا۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

دوستو! آپ کا دوست ہمدرد نونہال اس بار بھی آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی مسرت اور عزت حاصل کر رہا ہوں۔ یہ صرف الفاظ نہیں ہیں بلکہ دلی جذبات ہیں کہ ہمیں اپنے ننھے مُنّے دوستوں کے لیے ہر مہینے ایک اچھا تحفہ پیش کرنے کی عزت حاصل ہوتی ہے اور جب ہمارے دوست تپاک [illegible] کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہیں تو جو محنت اس کی تیاری میں صَرف ہوتی ہے اس کا [illegible] اطمینان کی شکل میں مل جاتا ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہم جو چیز بھی پیش کریں وہ [illegible] زبان صحیح ہو۔ تاریخیں، نام اور واقعات غلط نہ ہوں۔ اس کی وجہ سے ہم کوئی چیز آنکھیں بند کر کے نہیں دے سکتے۔ تحقیق کرتے ہیں۔ کتابیں دیکھتے ہیں۔ عالم اور قابل لوگوں سے پوچھتے ہیں۔ لغات کی کتابوں کی ورق گردانی کرتے ہیں۔ تب کہیں جا کر ہمدرد نونہال تیار ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب نونہال دوستوں کے خط آتے ہیں تو ان کو غور سے پڑھتے ہیں۔ ان میں تعریف بھی ہوتی ہے اور تنقید بھی۔ گویا ہمیں پھول بھی ملتے ہیں اور پتھر بھی، لیکن ان سے بھی ہماری ہمت بڑھتی ہے، کیوں کہ اس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ جن دوستوں کے لیے ہم ہمدرد نونہال پیش کرتے ہیں وہ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہم اُن دوستوں کی خدمت کر رہے ہیں جن کو کل پاکستان کو چلانا ہے اور دنیا کا بوجھ اُٹھانا ہے اور ہمدرد فاؤنڈیشن کا مقصد بھی یہی ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہمدرد نونہال علم اور اخلاق کا جو دیا جلا رہا ہے اُس کا اُجالا پھیل رہا ہے۔ علم و اخلاق کے بغیر دنیا کا کوئی صحیح کام نہیں ہو سکتا۔ اس وقت ہمیں اپنی اخلاقی اصلاح پر سب سے زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے پاکستان کو اس وقت طاقت کی ضرورت ہے اور اخلاق سب سے بڑی طاقت ہے۔ نونہال دوستوں کو ہمارا مشورہ ہے کہ وہ اخلاق کی اہمیت کو سمجھیں اور دوسروں کو سمجھائیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ محترم حکیم محمد سعید صاحب نے آوازِ اخلاق کے نام سے جو تحریک شروع کی ہے وہ وقت کی سب سے اہم آواز ہے۔ اس شمارے کے آخر میں اس کا کچھ حال لکھا گیا ہے۔ آپ اس کو پڑھیں گے تو آپ کو آوازِ اخلاق کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

سچّائی کی قیمت

سید اوصاف علی دہلوی

دوپہر کا وقت ہے۔ عرب کا گرم ریگستان۔ گرمی اللہ کی پناہ! آگ برس رہی ہے۔ اس حالت میں ایک عرب نوجوان اونٹ پر سوار چلا جاتا ہے، مگر تیز دھوپ سے بہت پریشان ہے اور نخلستان (وہ جگہ جہاں بہت سے کھجوروں کے درخت اُگے ہوئے ہوں) کی تلاش میں ہے تاکہ کچھ دیر آرام کرے۔ یکایک دُور سے کھجوروں کے درخت نظر آتے ہیں اور وہ پھر خوش نما نخلستان میں پہنچ جاتا ہے۔ سائے دار درختوں میں پہنچ کر اُونٹ سے اُترتا ہے۔ اونٹ کو بٹھا کر گھُٹنا باندھتا ہے۔ چشمے پر ہاتھ منھ دھو کر پانی پیتا ہے۔ روح میں تازگی محسوس ہوتی ہے جسم و جان اور قلب و جگر کو سکون سا ملتا ہے اور طبیعت آرام پر آمادہ ہوتی ہے۔ اور اس کیفیت میں نیند آجاتی ہے۔ عرب نوجوان عالمِ بیداری سے عالمِ خواب کی حسین دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ اونٹ گھُٹنے کی رسّی توڑ کر آزادی کے ساتھ اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے لگا۔ درختوں کے پتے چَٹ کرنے لگا۔ نخلستان کے بوڑھے مالک نے جب یہ تماشا دیکھا تو نوجوان کو آوازیں دیں، مگر وہ تو میٹھی نیند سو رہا تھا۔ اب بوڑھے نے مجبوراً اونٹ کے پتّھر مارا، مگر اتفاق کی بات کہ اونٹ کے پتّھر کچھ ایسا لگا کہ وہ زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا۔ اب درختوں کے پتے تو محفوظ تھے، لیکن اونٹ مُردہ حالت میں فرشِ خاک پر پڑا تھا۔ بوڑھا پریشان ہو گیا۔

جب عرب نوجوان بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہے اونٹ مَرا پڑا ہے۔ سامنے دیکھا بوڑھا چلا آتا ہے۔ نوجوان نے پوچھا "کیا تم کو خبر ہے اونٹ کو کس نے مارا ہے؟" بوڑھا بے اختیار بولا، "بدقسمتی سے میرے ہاتھوں مَرا ہے۔" یہ جواب سُن کر نوجوان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور غضب ناک ہو کر بوڑھے کا کام تمام کر دیا۔ بوڑھا مَر چکا تھا اور نوجوان حیرت زدہ تھا۔ بوڑھے کو دیکھتا

تھا اور پچھتاتا تھا۔ اتنے میں پیچھے سے آکر اچانک دو آدمیوں نے نوجوان کو گرفتار کر لیا۔
اب عرب نوجوان سراپا غم بنا کھڑا تھا اور اُس کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو تھے۔

یہ حضرت عمر فاروقؓ کا دورِ حکم رانی تھا۔ جب کہ ہر طرف عدل و انصاف کا بول بالا تھا اور واقعی "قانون کی حکم رانی" تھی۔ قانون کی نظر میں ہر امیر اور غریب برابر تھا۔ مدینہ اس مقام سے بہت دُور نہ تھا۔ وہ دونوں آدمی بوڑھے کے بیٹے تھے۔ نوجوان کو دربارِ خلافت میں لے گئے اور صورتِ حال سے آگاہ کیا کہ نوجوان نے بوڑھے باپ کو کس بے دردی کے ساتھ قتل کیا ہے۔
یہ دُور مکر و فریب کا نہیں تھا۔ نوجوان نے نہ صرف اظہارِ افسوس کیا بلکہ اقبالِ جرم بھی کر لیا۔
چناں چہ عدالتِ عالیہ نے قتل کے جرم میں سزائے موت کا حکم سُنا دیا۔

فیصلہ ہو چکا تھا۔ جو اسلامی قانون کے عین مطابق تھا۔ حسبِ دستور امیر المومنین نے آخری خواہش پوچھی تو نوجوان بولا: "اے امیر المومنین! رسولِ پاکؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ اپنے اوپر قرض لے کر کبھی مت مرنا اور بدقسمتی سے میں ایک یہودی کا مقروض ہوں۔ بس اتنی اجازت اور مہلت عنایت کیجیے کہ میں قرض اُتار آؤں، پھر اپنے کیے کی سزا بھگت لوں گا۔" حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: "بے شک! اس اعتبار سے تم کو عارضی طور پر رہا کیا جا سکتا ہے، بشرطے کہ تمھاری کوئی ضمانت دے۔" لیکن نوجوان کا تو کوئی واقف کار نہ تھا۔ مجبور و بے بس۔ حیران و پریشان کھڑا تھا کہ مشہور صحابی حضرت ابُو ذر غفّاریؓ کھڑے ہوئے اور کہا:

اِس نوجوان کی مَیں ضمانت دیتا ہوں۔ ان الفاظ نے بھرے مجمع کو حیرانی میں ڈال دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"اے ابُو ذر غفاریؓ! آپ صحابیِ رسولؐ ہیں۔ خوب سمجھ لیجیے کہ ضمانت دینے کا کیا مطلب ہے؟ اگر نوجوان نے دھوکا دیا تو پھر آپ کو قتل کیا جائے گا۔ کیا آپ کو یہ شرط منظور ہے؟" جواب میں کہا:

"میں نے سب کچھ سمجھ لیا ہے، لیکن میں نہیں چاہتا کہ نوجوان خود کو دوسروں سے بیگانہ اور بے سہارا سمجھے۔ اسلامی رشتے کی روشنی میں یہ میرا بھائی ہے، اس لیے مجھے اس پر اعتماد ہے۔ میں اپنی خوشی و خواہش سے ضمانت دے رہا ہوں۔"

نوجوان ضمانت پر عارضی طور پر رہا کر دیا گیا اور واپسی کے لیے ایک مدّت مقرر کر دی گئی۔

نوجوان بہت دُور دراز علاقے کا باشندہ تھا، اِس لیے تیزی کے ساتھ گھر پہنچا اور اہلِ خاندان کو تمام و کمال ماجرا سُنایا۔ گھر میں رونا پیٹنا مچ گیا۔ سب نے مشورہ دیا: "جان ہے تو جہان ہے۔ اب مدینے مت جاؤ۔ تم کو کون پکڑنے آتا ہے۔ جو کچھ ہونا تھا، اُس پر خاک ڈال دو۔" بے شک نوجوان راہِ فرار اختیار کر سکتا تھا، مگر یہ تو اُس کے ایمان کی پرکھ کا وقت تھا اور وہ دنیا سے اپنے ایمان کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ ایک سچّے مسلمان کی باعزت موت مرنا چاہتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ آخرت میں نجات کا اصل ذریعہ نیک اعمال ہوں گے۔ اِس عارضی دُنیا کی اُس مستقل دُنیا (عاقبت) کے مقابلے میں کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ بلاشبہ چند روزہ بہار پر اُخروی انعام کو قربان نہیں کیا جا سکتا۔
چناں چہ نوجوان کا جواب تھا:

"وعدہ خلافی کرنا مسلمان کی شان نہیں ہے۔ میں ضرور جاؤں گا۔"

یہ کلمات ادا کیے اور یہودی کا قرض اُتارنے چل دیا۔ اس کے بعد پھر فوراً تیز رفتار سانڈنی لے کر مدینہ منورہ کی طرف بڑھتا چلا گیا، لیکن راستے میں کچھ رُکاوٹ آنے کی وجہ سے دیر ہو گئی۔

آج نوجوان کی مُدّت کا آخری دن تھا۔ لوگ سمجھ رہے تھے کہ حضرت ابو ذر غفاریؓ کی خیر نہیں۔ نوجوان کے بدلے زندگی قربان کرنا ہو گی۔ دوسری طرف حضرت عمرؓ بھی بہت فکر مند تھے۔ ان کے چہرے سے پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ کوفت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اِدھر عوام کی نگاہیں منتظر تھیں، مگر اُدھر آنے والے کا تو نام و نشان تک نہ تھا۔ وقت تیزی کے ساتھ نکلا جاتا تھا۔ عجب سماں تھا۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ میدان میں کھڑے تھے اور جلّاد حکم کا منتظر تھا۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ کا چراغِ حیات گُل ہونے ہی والا تھا کہ یکایک شور مچا۔ آواز بلند ہوئی: "رُک جاؤ۔ اُدھر دیکھو۔ دُھول میں کوئی ہیولا ہے۔" چشم زدن میں نوجوان پورے وقار اور ایمان کے ساتھ ہشاش بشاش سامنے کھڑا تھا۔ لوگ بے اختیار پکار اُٹھے: "واقعی نوجوان سچّا نکلا۔ آفرین ہے اس کے عزم و عمل اور قوتِ ایمانی پر۔" نوجوان نے معذرت کی اور بتایا کہ راستے میں زین ٹوٹ جانے کی وجہ سے تاخیر ہو گئی۔ تاہم یہ بات باعثِ مسرت اور اطمینان بخش ہے کہ میرے عظیم محسن کی زندگی محفوظ رہی۔ بہرحال اب میں سزا پانے کے لیے حاضر ہوں اور نیک تمناؤں کے ساتھ خدا حافظ کہتا ہوں۔

عرب نوجوان کی سچائی، بلند کرداری اور پابندیٔ عہد نے سب ہی کو حد سے زیادہ متاثر کیا اور لوگ دل ہی دل میں دعا کرنے لگے، "الٰہی! اس نوجوان کو سلامت رکھ۔ یہ ایک روشن چراغ ہے۔" اتنے میں یکایک بوڑھے مقتول کے دونوں بیٹے عوام کے درمیان سے نکل کر حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے آئے اور باادب کھڑے ہو کر التجا کرنے لگے:

"امیر المومنین! ہم دونوں اپنے باپ کا خون معاف کرتے ہیں، کیوں کہ یہ نوجوان ایک بہترین مسلمان ہے، اس لیے ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے لیے قتل کیا جائے۔"

یہ سن کر عمر فاروقؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، لیکن یہ آنسو خوشی کے تھے۔ آپ نے بے اختیار فرمایا کہ "اللہ تم کو خوش رکھے۔ تم نے بالکل میرے دل کی بات کہہ دی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میری بھی یہی آرزو تھی کہ کسی طرح اللہ اس نوجوان کو بچا لے۔ بہر حال اس احسان اور ایثار کے لیے میں تمھارا ممنون ہوں اور نوجوان کو آزاد کرتا ہوں۔" یہ روح پرور منظر دیکھ کر سب کے دل اللہ کے شکر گزار اور سچی مسرتوں سے ہم کنار ہو گئے۔

خیال کے پھول

خیال کے پھول کے عنوان سے ہم ہر مہینے مفکروں اور دانش وروں کے زرّیں اقوال شائع کرتے ہیں۔ ان اقوال کو سب بڑی دل چسپی سے پڑھتے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہم قول کے نیچے اس مفکر کے نام کے علاوہ جس کا وہ قول ہے اس نونہال کا نام بھی شائع کرتے ہیں جس نے وہ ہمیں بھیجا ہے، لیکن اب اکثر نونہال اچھے اقوال کی تلاش میں محنت سے کام نہیں لے رہے ہیں اور زیادہ تر وہ اقوال بھیجنے لگے ہیں جو پہلے شائع ہو چکے ہیں یا جو بہت عام ہیں۔ نونہالوں کو چاہیے کہ وہ اچھے اچھے اور نئے نئے اقوال لکھ کر بھیجا کریں اور ان کے نیچے مفکرین کے نام صاف لکھ کر بھیجا کریں۔

انوکھے کھیل - دل چسپ معلومات

ساجد علی ساجد

ابتدا

ایک زمانے تک انسان کو خود اپنی جان کی حفاظت کے سوا کوئی کام نہ تھا اور اس کی ساری توجہ اپنی حفاظت پر صرف ہوتی تھی، اس لیے یہ سمجھا جاتا ہے کہ کھیل کود کی ابتدا دنیا میں اس وقت ہوئی ہو گی جب انسان نے خود کو تھوڑا سا محفوظ خیال کیا ہو گا۔ اس سلسلے میں سب سے قدیم کھیل تیر اندازی سمجھا جاتا ہے، جس کی ابتدا ایک اندازے کے مطابق ۸۰۰۰ قبلِ مسیح میں ہوئی ہو گی۔ یعنی عیسوی سنہ کی ابتدا سے آٹھ ہزار سال پہلے اور اب سے کوئی دس ہزار سال پہلے انسان نے تیر چلانا سیکھا۔ اس کھیل کی علامات گریتوز قوم میں ملتی ہیں۔

اس کے بعد سب سے قدیم کھیل پہلوانی ہے، جو خیال کیا جاتا ہے کہ ۲۷۵۰ قبلِ مسیح میں شروع ہوا ہو گا۔ بنی حسن مصر میں وسطی زمانوں کی جو قد آدم تصویریں ملی ہیں اُن میں لڑکیوں کو گیند سے کھیلتے دکھایا گیا ہے۔ یہ تصویریں ایک اندازے کے مطابق ۲۰۵۰ قبلِ مسیح کی ہیں۔

انتہائی تیز رفتار

دنیا کی تاریخ میں ایسے کھیلوں میں جن میں کوئی مشین وغیرہ استعمال نہیں ہوتی سب سے زیادہ تیز رفتاری اسکائی ڈائیونگ میں ریکارڈ کی گئی ہے جو ۱۸۵ میل فی گھنٹہ تھی۔ جہاں تک گیند کے سب سے زیادہ تیزی سے حرکت کرنے کا تعلق ہے گولف میں گیند کے ہٹ لگنے کے بعد سفر کرنے کی رفتار ۱۷۰ میل فی گھنٹہ ریکارڈ کی گئی ہے۔

انتہائی سست رفتار

کھیلوں میں سب سے زیادہ سست رفتاری پہلوانی میں دیکھنے میں آئی۔ اُس زمانے میں جب اس کھیل نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی اور اس کے قاعدے نہیں بنے تھے تو دونوں پہلوان اتنی دیر تک ایک دوسرے سے گتھم گتھا رہتے تھے کہ ایک مرتبہ کشتی کا ایک مقابلہ ۱۱ گھنٹے چالیس منٹ تک چلتا رہا۔ ۱۲۔ اگست ۱۸۸۹ء میں جبل پور (بھارت)

درویش کی نصیحت

ندیم عارفی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مُلکِ روم کے بادشاہ پرویز کا سب سے چھوٹا بیٹا سُہیل اپنی بہن سعدِیہ کے ساتھ باغ میں کھیل رہا تھا۔ کھیلتے کھیلتے سہیل نے گیند کو اس زور سے پھینکا کہ وہ بہت دُور جھاڑیوں کے پیچھے جا گری۔ سعدیہ گیند کو لینے کے لیے گئی۔ سہیل بہت دیر تک سعدیہ کا انتظار کرتا رہا، لیکن جب وہ بہت دیر تک واپس نہ لوٹی تو اُسے بہت فکر ہوئی۔ سہیل نے اُسے ہر جگہ تلاش کیا، لیکن سعدیہ کا کوئی پتا نہ چل سکا۔ وہ روتا ہوا بادشاہ کے پاس پہنچا اور اسے اس واقعے کی اطلاع دی۔

بادشاہ کو بھی بہت تشویش ہوئی۔ اس نے شہزادی کی تلاش کے لیے ہر طرف لوگ دوڑا دیے۔ انھوں نے ملک کا چپّا چپّا چھان مارا، لیکن شہزادی کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ آخر سب لوگ تھک ہار کر بیٹھ گئے۔

سب سے بڑے شہزادے مظفر نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کی، "ابّا حضور، اگر آپ اجازت دیں تو میں شہزادی سعدیہ کی تلاش کروں؟"

بادشاہ نے اجازت دے دی۔

شہر سے باہر ایک بہت ہی خدا ترس اور عبادت گزار درویش رہتا تھا۔ شہزادہ مظفر اس کے پاس پہنچا اور اس کے سامنے اپنی پریشانی پیش کی۔

درویش نے کہا، "یہاں سے بہت دُور ایک ملک ہے۔ وہاں ہر وقت اندھیرا چھایا رہتا ہے۔ اُس ملک کو ظلمات کہتے ہیں۔ جب شہزادی گیند تلاش کرتی ہوئی جھاڑیوں میں پہنچی تو شاہِ ظلمات نے اُسے پکڑ لیا اور اسے اپنے ساتھ لے گیا۔"

مظفر نے پوچھا، "کیا شہزادی کو شاہِ ظلمات کی قید سے رہائی دلائی جا سکتی ہے؟"

درویش نے کہا، "ہاں یہ ممکن ہے، لیکن برخوردار، عقل مند آدمی کام شروع کرنے سے پہلے اُس کے اچھے بُرے کو جان لیتا ہے۔ جو شخص سوچے سمجھے بغیر کسی کام کو شروع کرتا ہے وہ ہمیشہ ٹھوکریں ہی کھایا کرتا ہے۔"

شہزادہ مُظفّر نے کہا، "محترم بزرگ، آپ جو کچھ فرمائیں گے میں اس پر عمل کروں گا۔"

درویش نے شہزادہ مظفر کو نصیحت کی اور شہزادی سعدیہ کو قید سے چھڑانے کی ترکیب تفصیل سے سمجھا دی، لیکن شہزادے نے درویش کی بات پر عمل نہیں کیا، اس لیے وہ مُلکِ ظلمات سے لوٹ کر نہ آسکا۔

جب مظفر کو بہت دن ہو گئے تو دوسرا شہزادہ محمود اس درویش کے پاس پہنچا۔ درویش نے شہزادی سعدیہ کو شاہِ ظلمات کی قید سے رہائی دلانے کی ترکیب تفصیل سے سمجھائی اور کہا، "اگر تم نے میری باتوں پر عمل نہ کیا تو پھر تم ملکِ ظلمات سے واپس نہ آسکو گے۔"

وہ شہزادی سعدیہ کی تلاش میں نکلا۔ وہ بھی ایسا غائب ہو گیا کہ جیسے اُسے زمین نِگل گئی ہو یا آسمان کھا گیا ہو۔

جب محمود کو گئے ہوئے بہت دن ہو چکے تو سب سے چھوٹا بیٹا سُہیل اپنی والدہ کے پاس پہنچا اور اس نے شہزادی سعدیہ کو تلاش کرنے کی اجازت مانگی۔ ملکہ بہت رنجیدہ ہو کر بولی، "بیٹا، اس کوشش میں تمھارے دونوں بڑے بھائی بھی گئے تھے اور وہ اب تک واپس نہیں آئے۔ تم میری آنکھوں کا نُور ہو اور میرے دل کی راحت ہو۔ بیٹا خدانخواستہ تمھیں بھی کچھ ہو گیا تو میری دنیا اندھیر ہو جائے گی۔"

شہزادے نے بار بار عاجزی کے ساتھ درخواست کی۔ آخر ملکہ کو اجازت دینی ہی پڑی۔ اس نے شہزادے کی کمر سے تلوار باندھی اور کہا، "میرے پیارے بیٹے جاؤ، خدا تمھاری حفاظت کرے اور تمھیں کام یابی عطا فرمائے۔"

شہزادہ سہیل بھی درویش کی خدمت میں حاضر ہوا اور بہت ادب سے بولا، "محترم بزرگ، میں اپنی بہن کی تلاش میں نکلا ہوں۔ آپ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے اور میری کام یابی کے لیے دُعا کیجیے۔"

درویش نے کہا، "اگر تم میری نصیحت پر عمل کرو گے تو کام یابی تمھارے قدم چومے گی اور اگر تم عمل نہیں کرو گے تو جو حشر تمھارے دونوں بڑے بھائیوں کا ہوا ہے وُہی حشر تمھارا بھی ہو گا۔"

سہیل نے وعدہ کیا اور کہا، "آپ جو نصیحت فرمائیں گے میں اس پر پوری طرح عمل کروں گا۔"

درویش نے کہا، "مُلکِ ظلمات یعنی اندھیر نگری میں رہنے والا ہر شخص ظالم ہے۔ جب تم وہاں داخل ہو جاؤ تو جو شخص تمھارے سامنے آئے، تم اُسے قتل کر دینا۔ اگر تم نے انھیں زندہ چھوڑ دیا تو تم زمین میں دَھنس جاؤ گے۔ دوسرے یہ کہ ظُلمات کی ہر چیز حرام ہے، اگر تم نے کوئی چیز ذرا بھی چکھ لی تو تم بھی ان ظالموں میں شامل ہو جاؤ گے اور کبھی اِس دُنیا میں لوٹ کر نہ آسکو گے۔"

سہیل نے یہ باتیں غور سے سُنیں۔ اس نے درویش کا شکریہ ادا کیا اور مُلکِ ظُلمات کی تلاش میں چل دیا۔ وہ چلتا رہا، چلتا رہا۔ آخر وہ ایک ایسی جگہ جا پہنچا جہاں ہلکا ہلکا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ یہی ملکِ ظلمات تھا۔

شہزادے نے ایک گڈریے کو دیکھا جو بہت سی بھیڑ بکریاں لے جا رہا تھا۔ شہزادے

نے اُسے آواز دے کر بُلایا اور پوچھا، "کیا تمھیں معلوم ہے کہ شہزادی سعدیہ کہاں قید ہے؟"

گڈریے نے کہا، "مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔ تم سیدھے چلتے جاؤ، راستے میں تمھیں ایک گوالا ملے گا، شاید وہ تمھیں کچھ بتا سکے۔"

شہزادے سہیل نے میان سے تلوار نکالی اور گڈریے کی گردن اُڑا دی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو زمین میں دھنس جاتا۔

سہیل ابھی تھوڑی دُور گیا تھا کہ اُسے گوالا ملا۔ وہ بہت سی گائیں اپنے ساتھ لیے جا رہا تھا۔ شہزادے نے اسے آواز دے کر بُلایا اور کہا، "کیا تم بتا سکتے ہو کہ شہزادی سعدیہ کہاں قید ہے؟"

گوالا بولا، "میں نہیں جانتا۔ اگر تم سیدھے چلتے جاؤ تو راستے میں تمھیں ایک کوچوان ملے گا۔ وہ تمھیں بتا دے گا۔"

شہزادہ سہیل نے تلوار کے ایک ہی وار سے گوالے کا سر کاٹ کر پھینک دیا۔ سہیل اور آگے چلا۔ راستے میں اسے کوچوان دکھائی دیا جو بہت سے گھوڑے اپنے ساتھ لے کر جا رہا تھا۔ شہزادے نے آواز دے کر اُسے بُلایا اور کہا، "کیا تم جانتے ہو کہ شہزادی سعدیہ کہاں قید ہے؟"

کوچوان نے کہا، "جی ہاں میں جانتا ہوں، شہزادی سعدیہ سیاہ مینار میں قید ہے۔ جب تم سیاہ مینار کے پاس پہنچو تو بلند آواز سے کہنا، "کھل جا سم سم۔ کھل جا سم سم۔ مجھے اندر آنے دو۔" دروازہ کھل جائے گا، تم اندر چلے جانا۔"

شہزادہ چلنے لگا۔ ابھی وہ دو چار قدم ہی گیا تھا کہ گھوڑے کے سُم زمین میں دھنس گئے۔ سہیل کو فوراً درویش کی نصیحت یاد آ گئی۔ وہ واپس آیا اور اس نے کوچوان کی گردن اُڑا دی۔

کوچوان کے کہنے کے مطابق وہ سیاہ مینار کے پاس پہنچا اور اُس نے زور سے کہا، "کھل جا سم سم، کھل جا سم سم، مجھے اندر آنے دو۔"

سیاہ مینار کا دروازہ کھل گیا۔ مینار اندر سے کافی چوڑا تھا۔ اندر دھیمی دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ مینار کے ایک کونے میں سعدیہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا ہو رہا تھا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ وہ سہیل کو دیکھ کر بولی، "آہ میرے

پیارے بھائی، تم یہاں کیوں آ گئے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ یہاں آ کر کوئی واپس نہیں جا سکتا۔ تم سے پہلے دونوں بڑے بھائی یہاں آئے تھے، لیکن ظالم بادشاہ نے انھیں پتھر کا بنا دیا۔"

ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ شاہِ ظُلمات بھی وہاں آ گیا۔ وہ سہیل کو دیکھ کر بولا، "آہا، آج تو شہزادے صاحب بھی تشریف لے آئے ہیں۔ سعدیہ جاؤ اور اپنے بھائی کے لیے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے کر آؤ۔"

سعدیہ پر جادو کا اثر تھا۔ اس لیے وہ اپنے بھائی کے لیے قسم قسم کے پھل اور طرح طرح کے شربت لے کر آئی۔ سہیل نے ذرا سا شربت بلّور کے گلاس میں اُنڈیلا۔ وہ اسے پینا ہی چاہتا تھا کہ اچانک اسے درویش کی نصیحت یاد آ گئی کہ ظُلمات یعنی اندھیر نگری کی ہر چیز حرام ہے۔ اگر تم نے کوئی چیز چکھ لی تو پھر کبھی لوٹ کر واپس نہ آ سکو گے اور ان ہی ظالم لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔"

سہیل نے شربت کو فرش پر گرا دیا اور نفرت سے بولا، "میں یہاں سعدیہ کو تمھاری قید سے نجات دلانے کے لیے آیا ہوں۔ ظالم بادشاہ اگر تمھارے اندر ہمت ہے تو سامنے آکر میرا مقابلہ کرو۔"

شہزادہ سہیل اور شاہِ ظُلمات تلواریں سونت کر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے۔ بہت دیر تک دونوں میں مقابلہ ہوتا رہا۔ دونوں نے تلوار کے خُوب جوہر دکھائے، لیکن آخر کار سچ کو فتح نصیب ہوئی اور جھوٹ کو شکست۔ شاہِ ظُلمات نے تلوار پھینک دی اور گھٹنوں کے بَل گر پڑا اور جاں بخشی کی التجا کرنے لگا۔

شہزادہ سہیل بولا، "صرف ایک شرط پر میں تمھاری جاں بخشی کر سکتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ تم اپنے ظلم و سِتم سے توبہ کرو۔ میرے بھائیوں اور دوسرے سب قیدیوں کو رِہا کر دو۔ اور میری بہن کے اوپر سے اپنے منحوس جادُو کا اثر دُور کر دو۔"

شاہِ ظلمات کو یہ شرطیں ماننی پڑیں۔ اس نے ایک سرخ رنگ کا شربت سعدیہ کو پلایا، اسے پیتے ہی شہزادی سَعدِیَہ کا رنگ گلابی ہو گیا، آنکھوں میں زندگی کی چمک آ گئی اور اس پر سے جادو کا اثر دُور ہو گیا۔

پھر شاہِ ظلمات نے ایک بوتل سے پانی لے کر سہیل کے دونوں بھائیوں اور دوسرے سب لوگوں پر چھڑکا۔ وہ بھی اپنی اصلی شکل و صورت میں واپس آ گئے۔

چاروں بہن بھائی خوشی خوشی اپنے ملک میں واپس آئے۔ لوگوں نے ان کا بہت شان دار استقبال کیا۔ ملک میں بہت دِنوں تک جشن ہوتا رہا۔

"خط ہی خط" کے لیے اس کثرت سے خط آنے لگے ہیں کہ سب کا چھاپنا تو کیا پڑھنا بھی مشکل ہوتا ہے اور جن نونہالوں کے خط نہیں چھپتے تو وہ شکایت کے خط لکھتے ہیں۔ اس طرح ہماری ڈاک اور بڑھتی ہے، اس لیے آیندہ سے نونہال دو مہینے بیچ میں چھوڑ کر خط لکھا کریں۔ مثلاً جن نونہالوں نے فروری ۸۴ء کے رسالے کے متعلق خط لکھ دیا ہے وہ اب مارچ اور اپریل کے رسالے کے متعلق خط نہ لکھیں بلکہ مئی ۸۴ء کے رسالے کے بارے میں خط لکھیں۔ ہو سکتا ہے اس طرح باری باری سب کا نمبر آ جائے اور شکایتیں کم ہو جائیں۔

شکر کی بیماری

س: شکر کی بیماری (ذیابیطس) کا کوئی مجرب علاج بتائیں اور پرہیز لکھیں؟

عصمت عزیز، جہلم

ج: اب تک ذیابیطس کا کوئی شافی علاج دریافت نہیں ہوا ہے۔ جب بانقراس یا لبلبے (پانکری آس) کی ساخت ضائع ہو جاتی ہے تو اس کی دوبارہ تعمیر کی کوئی تدبیر ابھی تک دریافت نہیں ہوئی اور بانقراس کا مجروح ہو جانا ہی اس کا سبب ہے، کیوں کہ وہ اب شکر کے توازن کو برقرار نہیں رکھ سکتا۔ جن لوگوں کو مرض ذیابیطس ہے۔ ان کو پرہیز سے ہی اپنا علاج کرنا چاہیے اور ورزش (صبح کافی دیر تک تیز قدموں سے چلنا) کو اپنا اصول بنانا چاہیے۔

کم زور نظر

س: میری عمر ۱۵ سال ہے۔ میں ۳،۷۵ نمبر کی عینک استعمال کرتا ہوں۔ ماہر امراضِ چشم کا کہنا ہے کہ نظر مزید خراب ہونا بند ہو گئی ہے۔ کوئی بیماری نہیں ہے۔ ازراہِ کرم مجھے کوئی ایسا نسخہ بتائیے کہ میری نظر بحال ہو جائے اور میں فوج میں بھرتی ہو سکوں؟

ظہور احمد مخلص، راول پنڈی

ج: اگر آپ اپنی نظر کو یہاں ہی قائم کر سکیں تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ عینک کا استعمال ترک کرنا اچھا نہ ہو گا۔ اس سے نظر کے مزید کم زور ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ آنکھوں کے لیے کئی تدابیر ہو سکتی ہیں:۔

۱۔ تازہ صاف ٹھنڈے پانی سے آنکھوں میں روزانہ صبح اور رات کو چھپکے ماریے۔

۲۔ مغز بادام شیریں ۱۲ دانے رات کو گرم پانی میں بھگو دیں، صبح صاف کر کے کھائیے۔
۳۔ "خمیرہ ہمدرد" خاصے دنوں تک کھائیے۔
۴۔ موسم میں گاجروں کا رس ایک گلاس روزانہ پیجیے۔
۵۔ ورزش کیجیے۔ کھلی جگہ میں کھڑے ہو جائیے۔ دونوں آنکھیں پہلے بند کر لیں، پھر کھولیں۔ آنکھوں کو دائرے میں پہلے دائیں اور پھر بائیں جانب گھمائیں۔ اس طرح جیسے آپ کی آنکھیں کسی چیز کا طواف کر رہی ہوں۔ یہ ورزش دائیں بائیں ۱۰۔۱۵ بار روزانہ کیجیے۔

ورزش اور کھانا

س: صبح ورزش کرنے کے تقریباً کتنی دیر بعد کھانا کھانا چاہیے؟

محمد خالد اعوان، حیدرآباد

ج: بس اتنی دیر بعد کہ پسینا خشک ہو جائے اور سانس کی تیزی ختم ہو جائے یعنی ہانپنا بند ہو جائے۔

نیند آتی ہے

س: میری عمر ۱۲ سال ہے۔ میں طالبِ علم ہوں۔ میں جب پڑھنے بیٹھتا ہوں تو تھوڑی دیر میں نیند آجاتی ہے اور تھوڑا سا پڑھنے کے بعد زبان بھی سوکھ جاتی ہے۔ پڑھنے میں بہت کم جی لگتا ہے۔

جمشید احمد، راول پنڈی

ج: کیا آپ کوئی افسانہ پڑھیں، ڈراما پڑھیں یا اور کوئی دل چسپ مطالعہ کریں تو بھی ایسا ہی ہوتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو غور کی بات ہے، لیکن اگر فقط نصاب کی کتابیں پڑھنے سے ایسا ہوتا ہے تو خود آپ کو غور کرنا چاہیے کہ اب تک آپ میں علم حاصل کرنے کی لگن کیوں پیدا نہیں ہوئی ہے۔ آپ کا دین تو آپ سے کہتا ہے کہ پڑھو (اقراء) اور آپ کو پڑھنے سے رغبت نہیں۔ یہ تو کوئی اچھی بات نہ ہوئی۔ اگر آپ کی عام صحت کم زور ہے تو اس پر توجہ کرنی چاہیے۔

غذا میں سبزیاں زیادہ کھائیں اور پھلوں پر توجہ کریں، یہ آپ کے لیے اچھا ہوگا۔ ہاں، رات کو جلد سو جانا اور صبح جلد بیدار ہو جانا فطرت سے قریب ہوتا ہے۔ اگر آپ رات جاگ کر مطالعہ کریں گے اور صبح دن چڑھے تک پڑے سوئیں گے تو یہ فطرت سے جنگ ہوگی، اور آج تک فطرت کو کبھی شکست نہیں ہوئی ہے نہ ہوگی۔

سوتے میں چلنا

س: میری عمر ۱۵ سال ہے۔ مجھے نیند میں چلنے کی عادت ہے جس سے میں بیزار رہتا ہوں۔ وجہ اور علاج بتائیے؟

ایم طارق عباس، مردان

ج: اس مرض کا طبی نام "مشی فی النوم" ہے۔ عام طور پر اس کا بڑا سبب دماغ کی کم زوری ہوتا ہے۔ ایسا ضعفِ دماغ، جس میں مراکزِ حس و حرکت میں عدم اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ذہنی پریشانیوں میں بھی ایسا ہو سکتا ہے اور نیند میں بلا ارادہ چلنا اس وجہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ گہری نیند نہ آئے اور دماغ کام کرتا رہے۔ واقعی یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اس سے حادثے بھی پیش آسکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ اپنے سونے جاگنے کے اوقات مقرر کریں۔ رات دیر تک ہرگز نہ جاگیں، بلکہ بعد نمازِ عشا سو جانے کا اصول بنا لیں اور صبح نماز فجر وقت پر پڑھیں۔ غذا میں مرچیں کم کر دیجیے۔ رات کو اگر بھوک نہ ہو تو کھانا نہ کھائیے۔ سہارے کے لیے دودھ پی سکتے ہیں یا دہی کھا سکتے ہیں۔ دوا کے طور پر مغز بادام شیریں آپ کے لیے مفید ہوں گے۔ رات بادام کے ۱۲ دانے بھگو کر رکھ دیجیے۔ صبح دن کو جس قدر ممکن ہو باریک پیس لیجیے اور دودھ میں ملا کر پی لیجیے۔ "خمیرہ ہمدرد" بھی فائدہ مند رہے گا۔

بڑھا ہوا پیٹ

س: میری عمر ۱۴ سال ہے۔ قد لمبا ہے اور پیٹ غیر معمولی طور پر بڑھا ہوا ہے، حال آں کہ روز صبح پیدل اسکول جاتا ہوں، جو تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ براہِ کرم پیٹ چھوٹا کرنے کی کوئی ترکیب بتائیے۔

محمد یاسین، کراچی

ج: اگر یہ کوئی اندرونی ورم نہیں ہے، مثلاً ورم جگر وغیرہ، تو پھر یہ پیٹ ضرور اناڑی کی بندوق ہے۔ یعنی اس بے چارے پیٹ کو بڑی طرح بھرا گیا ہے۔ اب بھر بھر کر ہوا یہ کہ وہ ڈھیلا اور بڑا ہو گیا ہے۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہ ہوئی۔ پیٹ کی ایک اچھی ورزش یہ ہے کہ بالکل سیدھے کھڑے ہو جائیے۔ دونوں ہاتھ بلند کر کے آسمان کی جانب کر لیجیے، پھر ہاتھ تانے تانے اس طرح جھکیے کہ جیسے آپ فرش پکڑ رہے ہیں۔ ہاں فرش کو ان ہاتھوں سے چھوئیے اور پھر سیدھے پہلے کے انداز پر کھڑے ہو جائیے۔ پھر جھکیے۔ اس طرح شروع میں ۱۰۔۱۲ بار اور پھر باقاعدہ ۲۵۔۳۰ بار روزانہ صبح کیجیے۔ اس ورزش سے پیٹ ہلکا ہو سکتا ہے۔ ویسے پیٹ کا ہلکا

ہونا بھی کوئی اچھی بات نہیں۔

بھول جاتا ہوں

س: ایک الجھن میں مبتلا ہوں۔ میں بارہویں جماعت کا طالبِ علم ہوں، جو کچھ امتحان کے لیے یاد کرتا ہوں، وہ امتحان ہال میں جا کر بھول جاتا ہوں اور اس کی وجہ سے بہت نقصان اُٹھا چکا ہوں۔

رضوان الزماں، کراچی

ج: اگر آپ کھانا بھول جاتے ہیں تو میں یہ ماننے کے لیے تیار ہوں کہ واقعی آپ کا ذہن کم زور ہو گیا ہے، لیکن اگر ایسا نہیں ہے یعنی آپ کو کھانا کھانا یاد رہتا ہے تو پھر میں اصرار سے کہوں گا کہ آپ کو سبق بھی یاد رہنا چاہیے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ایک چیز یاد رکھیں اور دوسری بُھول جائیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ تعلیم سے بے شوقی اور علم سے فرار بھول کا سبب ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس کا علاج میں کیا بتاؤں، آپ خود اپنے جسم کے بہترین طبیب ہیں۔ بھول کا علاج شوق ہے۔ پڑھنے میں دل لگائیے۔ علم کے فائدوں کو سمجھیے۔ بار بار پڑھیے۔ جو بات سمجھ میں آ جاتی ہے وہ یاد بھی رہتی ہے۔ امتحان کے کمرے میں جا کر بھول جانے کا سبب گھبراہٹ بھی ہو سکتی ہے۔ جب آپ سبق خوب یاد کر لیں گے تو اعتماد پیدا ہو جائے گا اور پھر گھبراہٹ سے ذہن پریشان نہیں ہو گا۔

خونی کینسر

س: میرے پھوپی زاد بھائی کو (عمر گیارہ سال) گیارہ ماہ سے خونی کینسر ہے۔ بہت سی جگہوں پر علاج کرایا، مگر افاقہ نہیں ہوا۔ آپ سے گزارش ہے کہ ازراہِ کرم اس کا علاج بتائیں؟

راجا محمد طارق، بالاکوٹ

ج: طِب کے میدان میں عقل کو حیران کر دینے والی ترقیاں ہوئی ہیں اور ماہرین طِب و سائنس انسان کو امراض سے بچانے کے لیے تحقیقات میں معروف ہیں، اس کے باوجود ہنوز سرطان پر مکمل فتح حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ خون کے سرطان کا حال بھی یہی ہے۔ افسوس ہے کہ میں اس باب میں آپ کی اور آپ کے بھائی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ مناسب ہے کہ وہ ماہرین کی نگرانی میں تدابیر و علاج جاری رکھیں۔

سُنہرا اُون

مناظر صدیقی

ہزاروں سال پہلے کا ذکر ہے کہ ملک یونان میں کسی دریا کے کنارے ایک قنطُور بیٹھا ہوا تھا۔ قنطور ایسی مخلوق کو کہتے ہیں جس کے اوپر کا دھڑ آدمی کا اور نچلا جسم گھوڑے کی طرح ہوتا ہے۔ قنطور کے پاس ہی ایک گھنے درخت کے تنے سے ٹیک لگائے ایک تن درست اور خوب صورت نوجوان لیٹا ہوا تھا۔ قنطور نے اس نوجوان سے کہا:

"اب تم بیس سال کے ہو چکے ہو اور اب وقت آ گیا ہے کہ تم اپنے سوتیلے چچا پلیاس سے اپنی وہ سلطنت واپس لو جو اُس نے تمھارے باپ کو دھوکا دے کر حاصل کر لی تھی۔

نوجوان نے جواب دیا، "ہاں استاد شیرون، آپ نے میرے ساتھ جو نیکی کی ہے میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ نے مجھے میرے ظالم چچا سے چُھپا کر مجھے موت سے بچایا ہے۔ اُس وقت میں بچہ تھا۔ آپ نے مجھے پال پوس کر بڑا کیا۔ اب میں جوان ہو چکا ہوں۔ اب میں وہ سب کچھ کروں گا جس کی آپ ہدایت کریں گے۔"

قنطور شیرون نے اپنے شاگرد کی طرف دیکھا۔ شاگرد کی صحت اور مضبوط بازو دیکھ کر شیرون کو بڑی خوشی ہوئی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ اس کا شاگرد سچ مچ بڑے بڑے کام کر سکتا ہے۔ اس نے اپنے شاگرد سے کہا، "تم ضرور کام یاب ہو گے جیسن، جاؤ سارے خدا تمھارے ساتھ ہیں۔" ہزاروں سال پہلے یونانی سمجھتے تھے کہ خدا کئی ہوتے ہیں، اسی لیے اُس نے سارے خداؤں کے ساتھ رہنے کی دُعا دی تھی۔

شیرون کی طرف سے اجازت مل گئی تو جیسن نے چیتے کی کھال کا لباس پہن لیا، پیروں میں ایسے سینڈل پہنے جس کے تسمے سونے کے تھے۔ پھر دونوں ہاتھوں میں ایک ایک برچھا لیے جیسن وہاں سے روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے وہ دریائے اینی پی لیس کے کنارے پہنچ گیا۔ دریا میں بارش کی وجہ سے پانی بہت زیادہ تھا۔ دریا میں کوئی کشتی بھی نہیں تھی۔

جس میں بیٹھ کر وہ دریا پار کرتا۔ جیسن دریا کے کنارے بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ دریا کیسے پار کرے۔ اُسی وقت اُس کے پاس ایک بوڑھی عورت آئی۔ یہ بڑھیا دراصل یونانیوں کی دیوی ہیرا تھی۔ اُس نے جیسن سے کہا:

"میں تمھیں دریا پار کرا دوں گی۔ آؤ! میری پیٹھ پر بیٹھ جاؤ۔"

جیسن نے فوراً اس کا حکم مان لیا اور اس طرح وہ دریا کے دوسرے کنارے پہنچ گیا۔ یوں تو اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا، لیکن اس کا ایک سنہرا سینڈل دریا میں کہیں گر گیا۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر جیسن تیزی سے "لولوکس" شہر میں پہنچا۔ لولوکس سمندر کے کنارے واقع تھا۔ وہ جب بازار سے گزر رہا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ صرف ایک پیر میں سینڈل پہنے ہوئے ہے۔ چناں چہ لوگ اُس کی طرف اشارے کر کے آپس میں باتیں کرنے لگے:

"دیکھو، دیکھو، اس آدمی کے صرف ایک ہی پیر میں سینڈل ہے۔ آخر ایک سینڈل والا آدمی لولوکس میں آ ہی گیا۔ بادشاہ اسے دیکھے گا تو کیا کہے گا؟ یہاں تو بہت دنوں سے یہ بات مشہور ہے کہ جب بھی لولوکس میں ایک سینڈل والا آدمی آئے گا تو وہ بادشاہ پلیاس سے حکومت چھین لے گا۔"

آخر بادشاہ پلیاس نے بھی جیسن کو دیکھ لیا۔ پلیاس اُسے دیکھ کر ڈر گیا، کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ جیسن کے ہاتھوں اُس کی حکومت چھن جائے گی، لیکن آسانی سے تو حکومت کوئی بھی نہیں چھوڑتا۔ اُس نے تو دھوکے سے حکومت حاصل کی تھی۔ اس لیے اُس نے سوچا کہ جیسن کو کسی جال میں پھانس لینا چاہیے۔ یہ سوچ کر اُس نے جیسن سے پوچھا کہ اگر تمھیں کسی آدمی سے خطرہ ہو کہ وہ تمھیں تباہ کر دے گا تو تم ایسے آدمی کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟"

جیسن نے سوال پر غور کیا اور سوچ کر کہنے لگا "میں اُسے سُنہرا اُون لانے کے لیے بھیج دوں گا۔"

سُنہرا اُون دراصل ایک جادوئی دُنبے کی کھال تھی۔ اُس دنبے نے دو بچّوں کی جانیں بچائی تھیں۔ یہ کھال سمندر پار واقع ایک ملک میں ایک درخت پر لٹکی ہوئی تھی اور یہ

درخت ایک چھوٹے سے مقدّس جنگل میں تھا۔ ایک خوف ناک درندہ اُس درخت کی حفاظت کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ سنہرا اُون حاصل کرنا دنیا میں سب سے زیادہ خطرناک اور مشکل کام تھا۔

جیسن کے جواب سے پلیاس بہت خوش ہوا، کیوں کہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ سنہرا اُون لانا کوئی آسان کام نہیں۔ اگر جیسن سمندر کی مصیبتیں برداشت کر کے اُس ملک تک پہنچ بھی گیا اور اُس نے وہ درخت تلاش بھی کر لیا تو درخت کی حفاظت کرنے والا خوف ناک درندہ اُسے ضرور مار ڈالے گا۔ چناں چہ اُس نے جیسن سے کہا:

"تم ہی وہ آدمی ہو جس سے مجھے اپنی تباہی کا خطرہ ہے۔ ایسے آدمی کے ساتھ جو سلوک کیا جانا چاہیے وہ تم نے خود ہی بتا دیا ہے، اس لیے اب تم جا کر میرے لیے وہ سنہرا اُون لے آؤ۔ اگر تم کام یاب لوٹے تو میں اپنی بادشاہت تمھیں دے دوں گا۔"

جیسن نے بہادری سے کہا، "میں سنہرا اُون لانے ضرور جاؤں گا، اور جب اُون لے کر واپس آؤں گا تو تمھیں اپنا تاج میرے حوالے کرنا ہو گا۔"

پلیاس کے پاس سے جیسن سیدھا جنگل پہنچا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے شاہ بلوط کے اُس درخت کے پاس پہنچا جس کے متعلق اس نے سُنا تھا کہ یہ درخت انسانوں کی طرح باتیں کرتا ہے۔ اُس نے درخت سے پوچھا کہ سُنہرا اُون حاصل کرنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟

درخت نے جواب دیا، "تم آرگس کے پاس جاؤ۔ اُس سے کہو کہ وہ تمھارے لیے ایک ایسی خوب صورت کشتی بنائے جس میں پچاس چپّو لگے ہوں اور انھیں چلانے کے لیے پچاس تن درست جوانوں کی ضرورت ہو۔"

درخت کی ہدایت پر جیسن، آرگس کے پاس پہنچا اور کشتی بنانے کے لیے کہا۔ آرگس نے دیوی ہیرا اور دیوی ایتھین کی مدد سے جیسن کے لیے جہاز تیار کر دیا۔ اس جہاز کا نام انھوں نے "آرگو" رکھا۔ پھر پچاس تن درست جوان تلاش کر کے جہاز پر نوکر رکھے اور اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

کافی دنوں تک سفر کرنے اور بہت سی پریشانیاں اُٹھانے کے بعد جیسن کا جہاز

کو لچس پہنچا۔ یہی وہ ملک تھا جہاں سُنہرا اُون ایک درخت کی شاخ پر لٹکا ہوا تھا۔
جیسن اس ملک کے ساحل پر اُتر کر سیدھا وہاں کے بادشاہ آئی ٹس کے پاس پہنچا اور اُسے اپنے یہاں آنے کا مقصد بتایا۔ آئی ٹس کو یہ سُن کر بہت غصّہ آیا کہ یہ نوجوان آدمی وہ سنہرا اُون لینے آیا ہے، لیکن اُس نے جیسن کو راستے سے ہٹانے کے لیے ایک انوکھی ترکیب سوچ لی اور جیسن سے کہا:

"نوجوان! میں تمھیں سُنہرا اُون لینے کی اجازت اُس وقت دوں گا جب تم پہلے میری شرط پوری کر دو۔ میرے پاس دو بیل ہیں۔ جن کے پیر پیتل کے ہیں اور وہ سانس لیتے ہیں تو ان کے منھ سے شعلے نکلتے ہیں۔ یہ بیل جنگل کے دیوتا کے میدان میں گھاس چَر رہے ہیں۔ تمھیں ان بیلوں کو ہَل میں جوتنا ہو گا اور پھر آرِس کے کھیت میں درندے کے دانت سے ہَل چلا کر کھیتی کرنی ہو گی۔ تب تمھیں سُنہرا اُون لینے کی اجازت دی جائے گی۔"

بادشاہ آئی ٹس کی شرط بہت سخت تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شرط پوری ہی نہیں ہو سکتی اور اس اجنبی ملک میں کون اس کی مدد کرے گی۔ جیسن اسی سوچ میں غرق تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ بادشاہ کے دربار میں آئی ٹس کی بیٹی میڈیا بھی اُسے دیکھ رہی تھی۔ خوب صورت جیسن کو دیکھتے ہی میڈیا کو اندازہ ہو گیا کہ جیسن واقعی بہت بہادر ہے۔ جیسن اُسے بہت پسند آیا۔ چناں چہ اُس نے جیسن کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا اور جس وقت جیسن آئی ٹس کی شرط پوری کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا، میڈیا اس کے قریب آئی اور اُسے ایک ڈبّا دیتے ہوئے کہا:

"اس ڈبّے میں ایک خاص قسم کا مرہم ہے۔ اسے اپنے بدن پر مَل لو اور اپنی ڈھال پر بھی لگا لو۔ اس مرہم کے لگانے سے تم پر بیلوں کی سانس سے نکلنے والے شعلوں کا اثر نہیں ہو گا اور تم میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے گی کہ تم اُن بیلوں کو سدھا کر ہَل میں جوت سکو گے۔ پھر جب تم خوف ناک درندے کے دانت سے ہَل چلاؤ گے تو کھیت سے اچانک بہت سے جنگ جُو سپاہی نکل آئیں گے اور تم پر حملہ کریں گے۔ تم ایک بڑا سا پتّھر اُٹھا کر اُن کی طرف پھینک دینا۔ وہ سپاہی آپس میں ہی لڑ لڑ کر مَر جائیں گے۔"

دوسرے دن جیسن جب کھیت میں پہنچا تو شاہ آئی ٹس اور اس کے تمام درباری دُور کھڑے جیسن کو دیکھ رہے تھے۔ وہاں وہی کچھ ہوا جو شہزادی میڈیا نے جیسن کو بتایا تھا۔ پھر جب کھیت سے بہت سے سپاہی اچانک پیدا ہو گئے اور شور مچاتے ہوئے جیسن پر حملہ کرنے کے لیے بڑھے تو جیسن نے ایک بڑا سا پتّھر اُٹھا کر ان سپاہیوں کی طرف پھینک دیا۔ پتّھر کا زمین پر گرنا تھا کہ تمام سپاہی جیسن کو بُھول کر آپس میں لڑنے لگے۔ جیسن بھی اُن سپاہیوں کو مارنے لگا۔ تھوڑی دیر میں تمام سپاہی مَر گئے۔ صرف جیسن ہی باقی رہ گیا۔

آئی ٹس کے درباری تو جیسن کو تعریفی نظروں سے دیکھ رہے تھے، لیکن خود آئی ٹس کو بڑا غصّہ آ رہا تھا۔ اُس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ آدھی رات گزرنے کے بعد جیسن کو چُپکے سے مار ڈالا جائے۔ شہزادی میڈیا نے بھی یہ جُملہ سُنا اور خاموشی سے ایک طرف ہٹ گئی۔ پھر وہ موقع نکال کر جیسن کے قریب پہنچی جو سارے سپاہیوں کو مار کر بادشاہ آئی ٹس کے پاس آ رہا تھا۔ شہزادی نے جیسن سے آہستہ سے کہا، "آدھی رات سے پہلے پہلے محل کے باغ میں مجھ سے ضرور ملنا۔"

آئی ٹس کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ شہزادی میڈیا نے جیسن سے کیا کہا ہے، لیکن جیسن نے یہ جملہ سُن لیا تھا۔ وہ آدھی رات سے پہلے ہی محل کے باغ میں پہنچ گیا۔ جہاں شہزادی میڈیا نے اُسے بتایا کہ بادشاہ آئی ٹس نے درباریوں کو حکم دیا ہے کہ آدھی رات گزرنے کے بعد اُسے مار ڈالا جائے، لیکن جیسن کو پریشان نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ شہزادی میڈیا کو اس مقدّس جنگل کا راستہ معلوم تھا جس کے ایک درخت پر سنہرا اُون موجود تھا۔ شہزادی کو درخت تک پہنچنے کا راستہ بھی معلوم تھا۔ میڈیا نے جیسن سے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ سنہرا اُون حاصل کرنے میں اس کی مدد کرے گی۔ دونوں مِل کر یہ اُون حاصل کر لیں گے۔

جیسن کو شہزادی میڈیا کی باتوں اور اُس کے وعدے پر یقین تھا، کیوں کہ وہ پیتل کے پیروں والے بیلوں کے معاملے میں بھی اُس کی مدد کر چکی تھی۔ چناں چہ جیسن اور شہزادی میڈیا اُسی وقت مقدّس جنگل کی طرف چل پڑے۔ دونوں جب اُس درخت کے

پاس پہنچے جس کے تنے پر جادوئی دُنبے کی کھال یعنی وہ سُنہرا اُون لٹکا ہوا تھا تو انھوں نے دیکھا کہ نیچے ایک بہت بڑا خوف ناک درندہ کسی بڑے سے اژدہے کی طرح کُنڈلی مارے بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا بڑا سا ڈراؤنا سَر اوپر اٹھا ہوا ہے۔ وہ درندہ اپنے سَر کو

دائیں بائیں اور آگے پیچھے اس طرح ہلا رہا تھا کہ کوئی بھی جانور یا آدمی اُس سے بچ کر درخت تک پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔ جیسن ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس خوف ناک درندے کو راستے سے کیسے ہٹایا جائے کہ شہزادی میڈیا نے درندے کی طرف دیکھتے ہوئے گانا شروع کر دیا۔

میڈیا گاتی رہی اور درندے کو گھور کر دیکھتی رہی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی اپنی آنکھیں درندے پر سے نہیں ہٹائیں بلکہ پلکیں تک نہیں جھپکائیں۔ میڈیا کے ایک ہاتھ میں ایک خاص قسم کا سفوف تھا، جو اُس نے ایک خاص قسم کی خوش بُودار بُوٹی کو پیس کر بنایا تھا۔ اس میں اُس نے جادوئی عرق بھی ملا رکھا تھا۔ میڈیا گاتے گاتے

آہستہ آہستہ اس درندے کے قریب ہونے لگی۔ اب اُس نے وہ ہاتھ جس میں جادوئی سفوف تھا کھول کر سامنے کر لیا تھا۔ اس سفوف کی خوش بُو جیسے ہی درندے کے نتھنوں میں پہنچی اُس کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے درندے نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر اُس کا کُھلا ہوا ڈراؤنا منھ بھی بند ہو گیا۔ اب درندہ سو چکا تھا۔

میڈیا نے جیسن سے کہا، "جلدی کرو، جلدی کرو۔ سنہرے اُون کی کھال درخت سے اُتار لو اور یہاں سے بھاگ چلو، ورنہ درندہ جلد ہی جاگ جائے گا۔"

میڈیا نے جیسن کو سنہرا اُون اُتارنے کی ہدایت دے کر جلدی سے سفوف درندے کی آنکھوں پر اس طرح ڈال دیا کہ اُس کی دونوں آنکھیں سفوف سے چُھپ گئیں۔ اُدھر جیسن نے جادوئی دنبے کی کھال یعنی وہ سنہرا اُون درخت سے اُتار لیا۔ پھر وہ دونوں وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تاکہ اس مقدس جنگل سے جلد سے جلد باہر نکل جائیں۔ جیسن اور میڈیا جیسے ہی جنگل سے باہر نکلے ویسے ہی درندے کی آنکھ کُھل گئی۔ اُس نے جب یہ دیکھا کہ دونوں سُنہرا اُون لے کر جا چکے ہیں تو چیختا چنگھاڑتا ہوا وہ بھی جنگل سے نکلا اور اُن کا پیچھا کرنے لگا۔ قریب تھا کہ وہ اُن دونوں کو پکڑ لیتا، لیکن وہ لوگ بھاگ کر اپنے جہاز آرگو پر پہنچ گئے۔ درندے نے غصّے میں اُن کے جہاز پر کئی پتھر پھینکے، لیکن جہازی تیز تیز چپّو چلا کر جہاز کو ساحل سے دُور لے جانے میں کام یاب ہو گئے۔ کچھ دن بعد جیسن لولوکس پہنچا۔ اس نے اپنے سوتیلے چچا پلیاس سے حکومت چھین لی۔ اس کے بعد جیسن اور میڈیا نے شادی کر لی اور آرام سے رہنے لگے۔

میاں بیوی — حیرت انگیز تعداد

- سیام کے شاہ مونگٹ کی نو ہزار بیویاں تھیں۔
- یوگنڈا کے شاہ مقینا کی سات ہزار بیویاں تھیں۔
- باربری کی ملکہ کاہنہ کے چار سو شوہر تھے۔
- سیکسونی کے آگسٹس کی ۳۶۵ بیویاں تھیں۔
- کیمرون کے خان اوف بیکم کی ایک سو بیویاں تھیں۔

مرسلہ: مہربان اعظم، ڈیرہ اسماعیل خان
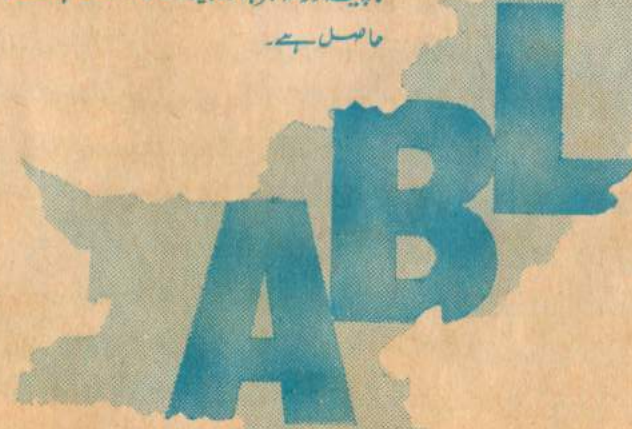
پانار کا آدم خور

علی اسد

کرنل جم کاربٹ نے بارہا ہمالیہ کی ترائی میں آدم خور چیتوں اور تیندووں کا شکار کرنے میں اپنی جان کی بازی لگادی۔ جب کبھی کوئی آدم خور جنگل کے حصے میں آدمیوں پر حملے کرنے لگتا تھا تو گاؤں کے لوگ کرنل جم کاربٹ کو بُلوا لیتے تھے، لیکن یہ مشہور شکاری صرف اسی حالت میں گولی چلاتا تھا جب اس کو یقین ہو جاتا تھا کہ درندے نے آدمی کی جان لے ڈالی ہے۔ آئیے اب ہم خود کرنل جم کاربٹ کی زبانی شکار کا ایک واقعہ سُنیں۔

نینی تال میں ہم کو معلوم ہوا کہ ایک آدم خور تیندوے نے پانار کی وادی میں آدمیوں کو

جب میں درخت پر بیٹھ گیا تو میں نے کانٹے دار ٹہنیوں کے گٹھے درخت کے تنے پر رسیّوں سے بندھوا دیئے۔

مارنا شروع کر دیا ہے۔ یہ جگہ ہمارے شمال میں تھی۔ اس درندے کے بارے میں جب یہ مشہور ہوا کہ اس نے چار سو آدمیوں کی جانیں لے ڈالی ہیں تو حکومت نے مجھ سے کہا کہ میں اس کا شکار کروں۔ چناں چہ میں ایک ملازم اور چار قلیوں کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ چوتھے دن ہم لوگ ایک گاؤں پہنچے جس کا نام ہے چکاتی۔ وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ اس تیندوے نے حال ہی میں ایک آدمی کو سنولی نامی گاؤں میں مار ڈالا ہے۔ یہ گاؤں پانار دریا کے دوسرے کنارے پر تھا۔

دوسرے دن ہم لوگ سنولی کے لیے چل پڑے اور دو دن بعد وہاں پہنچ گئے۔ یہ گاؤں ایک پہاڑی کے دامن میں ہے۔ گاؤں کے زیریں حصے میں ایک وادی ہے جس میں گھنا جنگل ہے۔ یہ علاقہ تقریباً بیس ایکڑ ہے۔ سنولی کے لوگ ہم کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ جب تک ناشتا تیار ہوا تمام لوگ ہمارے چاروں طرف بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ انھوں نے بتایا کہ چھے ماہ پہلے اسی آدم خور نے چار آدمیوں کو مار ڈالا۔ ان چاروں آدمیوں کو رات کے وقت مارا گیا تھا اور گھسیٹ کر جنگل میں لے جایا گیا تھا۔ آدم خور نے تازہ ترین شکار چھے روز پہلے کیا تھا اور گاؤں والوں کو یقین تھا کہ آدم خور ابھی تک جنگل میں ہے۔

اس رات کو میں نے تیندوے کا انتظار کرنا مناسب نہ سمجھا، کیوں کہ بادل چھائے ہوئے تھے اور بارش کا امکان تھا۔ دوسرے دن مجھ پر ملیریا کا حملہ ہو گیا اور میں چوبیس گھنٹے پڑا رہا۔ تیسرے دن بخار نے پیچھا چھوڑا تب میں شکار کے قابل ہوا۔ جنگل کے نزدیک ایک پرانا شاہ بلوط کا درخت تھا۔ یہ درخت ایک اونچے سے ٹیلے پر تھا اور دو کھیتوں کو علاحدہ کر رہا تھا۔ ایک کھیت دوسرے سے ذرا اونچا تھا۔ یہ درخت پہاڑی سے ذرا دُور جھکا ہوا تھا اور اس کے درخت کے نچلے حصے میں جو شاخ تھی وہ نشیبی کھیت کے اوپر نکلی ہوئی تھی۔ یہ شاخ زمین سے تقریباً پندرہ فیٹ کی بلندی پر تھی، مگر یہ بالکل کھوکھلی ہو چکی تھی۔ بہر حال درخت کی یہی ایک شاخ میرے کام کی تھی۔ اس کے علاوہ کئی گز تک کوئی اور درخت نہ تھا۔ چناں چہ میں نے اسی شاخ پر بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا، حال آنکہ اس میں خطرہ بھی تھا۔

جس تیندوے سے میرا مقابلہ تھا وہ چونکہ بے حد خطرناک تھا اس لیے میں نے اپنے آدمیوں سے بہت سی لمبی لمبی کانٹے دار ٹہنیاں کٹوائیں اور جب میں درخت پر ٹیک لگا کر اس شاخ

پر بیٹھ گیا تو میں نے اپنے آدمیوں سے ان کانٹے دار ٹہنیوں کے گٹھے بنوائے اور انھیں درخت کے تنے پر رسیوں سے بندھوا دیا۔ یہ کام میرے آدمیوں نے بڑی احتیاط سے کیا اور شاید میری جان بھی اسی وجہ سے بچ گئی۔ یہ کانٹے دار ٹہنیاں دس سے لے کر بیس فیٹ تک لمبی تھیں۔ ان میں سے بعض اس شاخ کے دونوں جانب نکلی ہوئی تھیں۔ چوں کہ مجھے اپنا توازن قائم رکھنے کے لیے کسی چیز کو پکڑنا تھا لہٰذا میں نے ان کانٹے دار ٹہنیوں کو اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ پانچ بجے تک سب تیاریاں ہو گئیں اور میں اطمینان سے اس شاخ پر بیٹھ گیا۔ میں ایک بکرا سنولی سے خرید لایا تھا۔ یہ بکرا میں نے اپنے سامنے تیس گز کے فاصلے پر بندھوا لیا، تاکہ تیندوا اس کو کھانے کے لیے آئے۔ اس وقت تک جنگل میں سناٹا تھا، لیکن اب ایک چڑیا بڑے زور سے چیخی اور اس کے فوراً ہی بعد بہت سی دوسری چڑیوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ یہ چڑیاں پہاڑوں پر بڑا کام کرتی ہیں، کیوں کہ ان کے شور مچانے سے پتا چل جاتا ہے کہ اب شکار قریب آ گیا ہے۔ چناں چہ میں نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ وہ گاؤں واپس

میں نے بکرے کو درخت سے خاصی دُور باندھا تھا۔

چلے جائیں۔ وہ بڑی خوشی خوشی چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی بکرے نے چیخنا شروع کر دیا پھر آدھے گھنٹے تک کچھ نہیں ہوا۔ اس کے بعد جب سورج پہاڑ کے پیچھے غروب ہو رہا تھا تو دو کوّے جو میرے اوپر درخت پر بیٹھے ہوئے تھے وہ اُڑ گئے اور کسی جانور کو اس جگہ بُلانے لگے جو میرے اور جنگل کے درمیان تھی۔ بکرا جو دوسری طرف منھ کیے ہوئے تھا اب خاموش ہو گیا اور گھوم کر میری طرف دیکھنے لگا۔ بکرے کو دیکھ کر میں اس جانور کی حرکات کا اندازہ لگا سکتا تھا جو بکرے کا شکار کرنا چاہتا تھا اور یہ جانور اس تیندوے کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

چاند کے نکلنے میں ابھی کافی دیر تھی۔ تیندوے کا اندھیرے میں مقابلہ کرنے کے لیے میں نے بارہ بیرل کی دونالی شاٹ گن اُٹھالی تھی۔ رائفل کی ایک گولی کے مقابلے میں شاٹ گن کی آٹھ گولیوں سے تیندوے کو مارنے کے امکانات زیادہ تھے۔ پھر کئی منٹ تک کچھ نہیں ہوا، مگر اس کے بعد مجھے اُن کانٹوں میں ہلکی سی جنبش محسوس ہوئی جن کو میں پکڑے ہوئے تھا۔ مجھے یہ سوچ کر بڑا اطمینان ہوا کہ میں نے اس جُھکے ہوئے درخت پر کانٹے دار ٹہنیاں بندھوا دی ہیں، کیوں کہ میں گھوم کر اپنی مدافعت نہیں کر سکتا تھا۔ اب اس میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ میرا مقابلہ ایک نہایت خطرناک آدم خور سے ہے۔ تیندوے نے جب یہ دیکھا کہ وہ کانٹوں کی وجہ سے درخت پر نہیں چڑھ سکتا تو اس کے کانٹوں کی ٹہنیوں کے کناروں کو اپنے منھ میں دَبا لیا اور اب وہ انھیں بڑے زور سے جھٹکا دے رہا تھا اور اس طرح سے وہ مجھے درخت کے تنے سے گھسیٹ رہا تھا۔

سورج کی روشنی اب بالکل ختم ہو چکی تھی اور یہ بات تیندوے کے حق میں تھی، مگر میرے لیے یہ نہایت تباہ کُن تھی۔ اندھیرے میں انسان سب سے زیادہ مجبور مخلوق ہے اور اس کی ہمت جواب دے جاتی ہے۔ چار سو آدمیوں کو مارنے کے بعد تیندوے کو مجھ سے کوئی خوف نہ تھا۔ یہ اس بات سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ٹہنیوں کو جھٹکا دینے کے ساتھ ساتھ زور زور سے غرّاتا بھی جا رہا تھا جو گاؤں کے لوگ بھی سُن سکتے تھے۔ تیندوے کے غرّانے سے گاؤں کے لوگ تو ڈر گئے جیسا کہ انھوں نے بعد میں مجھے بتایا، لیکن مجھ پر اس کا اُلٹا اثر ہوا، کیوں کہ اس سے مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ تیندوا کہاں پر ہے اور کیا کر رہا ہے۔ مجھے تو اس وقت

ڈر لگتا تھا جب وہ خاموش ہو جاتا تھا، کیوں کہ اس وقت مجھے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اب کیا کرنے والا ہے۔ کئی بار اس نے ٹہنیوں کو زور سے گھسیٹ کر اچانک چھوڑ دیا جس کی وجہ سے میں ڈگمگا گیا اور گرتے گرتے بچا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر اس نے چھلانگ لگائی تو اس کے چھوتے ہی میں گر پڑوں گا۔

تیندوے نے کئی بار خطرناک خاموشی اختیار کی اور اسی قسم کی ایک خاموشی کے بعد وہ کُود کر بکرے کی طرف چل پڑا۔ میں نے بکرے کو درخت سے خاصی دُور باندھا تھا۔ یہ میں نے اس لیے کیا تھا کہ تیندوا جب تک بکرے کے پاس پہنچے میں اسے گولی مار سکوں، لیکن چوں کہ اب اندھیرا تھا لہٰذا میں بکرے کو نہیں بچا سکتا تھا۔ بکرے کا سفید رنگ اندھیرے میں کچھ دُھندلا دُھندلا سا نظر آیا۔ میں نے صرف اندازہ لگایا کہ تیندوا اب کہاں پر ہو گا اور گولی چلا دی۔ گولی چلنے کے فوراً بعد غرّاہٹ کی آواز آئی اور مجھے ایک دُھندلی سی چیز دکھائی دی جو کہ تیندوا تھا۔ وہ اُلٹ کر دوسرے کنارے کھیت میں غائب ہو گیا۔ دس پندرہ منٹ تک میں تیندوے کی

مشعلوں کی روشنی میں میں نے تیندوے کے سینے میں گولیاں پیوست کر دیں۔

آواز کا انتظار کرتا رہا۔ اتنے میں میرے آدمیوں نے چلّا کر پوچھا کہ آجائیں۔ ان کے آنے میں اب کوئی خطرہ نہ تھا۔ بشرطیکہ وہ صرف اونچی جگہ پر رہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ صنوبر کی لکڑی کی مشعلیں جلا کر آجائیں۔ ان دیہاتوں کے لوگ صرف اسی طرح کی روشنی سے کام چلاتے ہیں۔

اس کے بعد خوب چیخ و پکار سُنائی دی اور تقریباً بیس آدمی مشعلیں لیے گاؤں سے روانہ ہوئے۔ میری ہدایت کے مطابق وہ چکر لگاتے ہوئے میرے درخت کے پاس پیچھے سے آئے۔ کانٹے دار ٹہنیاں جن رسّیوں سے درخت میں بندھی تھیں۔ وہ تیندوے کے گھسٹنے سے اتنی جکڑ گئی تھیں کہ انھیں کاٹنا پڑا۔ جب کانٹے ہٹ گئے تو لوگ درخت پر چڑھے اور مجھے اُترنے میں مدد دی۔ مشعلوں کی روشنی میں وہ جگہ نظر آئی جہاں بکرا مرا پڑا تھا، مگر اس کے آگے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں نے اپنے آدمیوں کو بتایا کہ تیندوا زخمی تو ہو گیا ہے، مگر یہ نہیں معلوم کہ زخم کتنا گہرا ہے۔ میں نے کہا کہ اب ہم گاؤں چلتے ہیں، کل صبح زخمی تیندوے کو تلاش کریں گے۔ یہ سن کر لوگ بڑے مایوس ہو گئے اور بولے، "اگر آپ نے تیندوے کو زخمی کر دیا ہے تو وہ اب تک ضرور مر چکا ہو گا۔ لہٰذا کم از کم اگلے کھیت تک ہم لوگوں کو ضرور چلنا چاہیے تاکہ تیندوے کے خون کے نشانات دیکھ سکیں۔" میں اپنی عقل کے فیصلے کے خلاف راضی ہو گیا۔ لیکن میں نے ان آدمیوں سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ ایک قطار بنا کر میرے پیچھے چلیں گے اور اپنی مشعلوں کو اونچا اُٹھائے رکھیں گے، اور اگر تیندوا جھپٹ پڑے تو مجھے اندھیرے میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے نہ ہوں گے۔ انھوں نے وعدہ کر لیا اور ہم لوگ روانہ ہو گئے۔ بکرا تیس گز کے فاصلے پر تھا۔ ہم وہاں تک گئے اور پھر کھیت کے کنارے بیس گز اور چلے گئے۔ ہم لوگ بالکل خاموش آہستہ آہستہ آگے بڑھتے گئے۔ ہم جب بکرے کے پاس پہنچے تو نیچے کے کھیت دکھائی دینے لگے۔ پھر جتنا جتنا ہم کنارے کے قریب ہوتے گئے اتنا ہی آگے کا منظر اور دکھائی دیتا گیا۔ اب صرف تھوڑی سی جگہ اندھیرے میں تھی۔ عین اسی وقت تیندوا غرّا کر کنارے پر کُود پڑا اور صاف دکھائی دینے لگا۔ حملہ آور تیندوے کی غرّاہٹ بڑی ہیبت ناک ہوتی ہے۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ ہاتھیوں کی جو قطار چیتے کا مقابلہ کرتی رہتی ہے وہ تیندوے کا حملہ ہوتے ہی بھاگ کھڑی ہوتی ہے۔ لہٰذا میرے ساتھی جب تیندوے

کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے تو مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ بھاگتے وقت یہ لوگ ایک دوسرے سے ٹکرا گئے اور ان کی چند مشعلیں زمین پر گر پڑیں۔ ان مشعلوں کی روشنی میرے لیے کافی تھی۔ میں نے تیندوے کے سینے میں گولیاں پیوست کر دیں۔ گولیوں کی آواز سُن کر بھاگنے والے رُک گئے اور میں نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سُنا، "ارے نہیں، صاحب ناراض نہ ہوں گے، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ بھوت (تیندوے) نے ہماری ہمت ختم کر دی تھی۔"

ہاں میں جانتا تھا۔ درخت پر مجھے جو تجربہ ہوا تھا اس کی بنا پر میں جانتا تھا کہ آدم خور کا خوف آدمی کو بُزدل بنا دیتا ہے۔ اس میں ناراض ہونے کی کوئی بات نہیں۔ میں پھر یہ ظاہر کرتا رہا کہ گویا میں تیندوے کو دیکھ رہا ہوں۔ آدمی واپس آگئے۔ میں نے ان کی طرف دیکھے بغیر پوچھا، "بانس اور رسّی لائے ہو تاکہ تیندوے کو لٹکا کر گاؤں لے جاؤ؟" وہ بولے، "جی ہاں، درخت کے پاس یہ چیزیں ہیں۔"

میں نے کہا، "تو جاؤ لے آؤ، کیوں کہ میں گاؤں جا کر ایک پیالی چائے پینا چاہتا ہوں۔"

اس رات برسوں کے بعد پانار وادی کے لوگ بے خوف ہو کر سو سکے۔

الگ الگ

بعض نونہال ایک ہی کاغذ پر بہت سی چیزیں لکھ دیتے ہیں۔ خط، لطیفے، تحفے کہانی سب ایک ہی کاغذ پر لکھتے چلے جاتے ہیں، بلکہ بعض نونہال تو کاغذ کے دونوں طرف لکھ دیتے ہیں۔ ہم چوں کہ ہر چیز کو الگ الگ ترتیب سے رکھتے ہیں، اس لیے ایک کاغذ پر کئی چیزیں ہونے کی وجہ سے دقّت ہوتی ہے۔ مہربانی کر کے اپنی ہر تحریر الگ کاغذ پر لکھا کیجیے۔

ہر خط اور ہر تحریر کے نیچے اپنا پورا پتا بھی ضرور لکھیے۔

اُداس بادشاہ

جناب معراج

بہت دن گزرے تاشقند پر ایک بادشاہ کی حکومت تھی۔ اس کا نام تو نہ جانے کیا تھا، لیکن سب لوگ اسے غمگین شاہ کہتے تھے۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ہمیشہ اُداس اور غمگین رہتا تھا۔ اسے دُنیا کی ہر نعمت حاصل تھی۔ رہنے کے لیے ایک بے حد عالی شان محل تھا۔ بہت سے نوکر چاکر ہر وقت اس کی خدمت کے لیے حاضر رہتے۔ اس کا ملک بہت وسیع تھا۔ مال و دولت کی تو کوئی حد ہی نہ تھی، اس کے خزانے میں اتنے ہیرے، موتی اور سونا چاندی تھا کہ دنیا کے کسی بادشاہ کے خزانے میں نہ ہوگا۔ اس کے باوجود بادشاہ بہت اُداس اور غمگین رہتا۔ نہ ہنستا نہ مسکراتا اور نہ کسی کام کاج میں حصّہ لیتا۔ وہ دن بھر ایک کمرے میں بستر پر لیٹا رہتا اور جماہیاں لیتا رہتا۔ وہ انگڑائی لے کر کہتا، "آج کا دن بھی کتنا فضول ہے۔ وقت ہے کہ گزرنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ دنیا پر ہر طرف اُداسی چھائی ہوئی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے موت کا سنّاٹا چھا رہا ہے۔"

یہ کہہ کر بادشاہ نے ایک لمبی سی جماہی لی، "ھاہ ہ ہ۔ ہاآآآہ ہ۔"

درباری شاعر نے جواب میں پہلے تو ایک لمبی سی جماہی لی، پھر ہاتھ جوڑ کر کہا، "حضور، کسی نے آپ کے خیالات کو یوں بیان کیا ہے:

دِل تو میرا اُداس ہے ناصر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

جواب میں بادشاہ نے پھر ایک لمبی جماہی لی۔ بادشاہ کے پلنگ کے دونوں طرف وزیر سرخ رنگ کی پگڑیاں اور سیاہ کپڑے پہنے ہوئے کھڑے تھے۔ وہ دونوں بھی بار بار جماہیاں لے رہے تھے۔ وہ بھی بے حد سنجیدہ اور اُداس دکھائی دے رہے تھے۔

بادشاہ نے ایک وزیر سے کہا، "آج کی تازہ خبریں سُناؤ، ہو سکتا ہے کہ کوئی دِل چسپ خبر میری اُداسی کو کم کر سکے۔"

یہ کہتے ہی بادشاہ نے پھر ایک لمبی جماہی لی۔ اُسے دیکھ کر دربار میں حاضر ہر شخص منہ پھاڑ پھاڑ کر جماہیاں لینے لگا۔ کافی دیر بعد جب یہ سلسلہ ختم ہوا تو وزیر دو قدم آگے بڑھا اور جیب سے کاغذ نکال کر بولا، "عالی جاہ، ملاحظہ فرمائیے:

گُڈے کی کُرتی پھٹ گئی۔ گڑیا کی انگلی کٹ گئی
پنجرے کا توتا اُڑ گیا۔ مُرغی نے کل انڈہ دیا
ہے تازہ خبر یہ آج کی

بادشاہ جھلّا کر بولا، "لاحول ولاقوۃ، بند کرو بکواس۔ آخر تمھیں ایسی احمقانہ خبریں سُنانے کی جرات کیسے ہوئی؟ تم اس خرافات کے پُلندے کو پُرزے پُرزے کر کے چولھے میں جھونک دو۔"

اب بادشاہ دوسرے وزیر کی طرف اشارہ کر کے بولا، "تم کوئی دل چسپ خبر سُناؤ تا کہ میری اُداسی دُور ہو سکے۔"

بادشاہ بہت اُداس رہتا اور دن بھر بستر پر لیٹے لیٹے جماہیاں لیتا رہتا۔

دوسرے وزیر نے جیب سے چشمہ نکالا اور بالکل خشک اور سپاٹ لہجے میں بولا، "عالی جاہ، موسم کا حال ملاحظہ فرمائیے:

کل اَبر تھا چھایا ہوا، ممکن ہے یہ چھایا رہے
آندھی کا بھی امکان ہے، شاید کہ بارش بھی پڑے
ہے تازہ خبر یہ آج کی

بادشاہ چیخ کر بولا، "بند کرو یہ بکواس، میں ایسی فضول خبریں سننا نہیں چاہتا۔ میں تمھارے اُداس سوگوار چہرے دیکھ دیکھ کر عاجز آگیا ہوں۔ اب تو میں اپنے آپ سے بھی اُکتا گیا ہوں۔"

درباری شاعر پھڑک کر بولا، واہ حضور سلامت، آپ نے کیسا عمدہ شعر ارشاد فرمایا ہے:

میں اپنے آپ سے اُکتا گیا ہوں
مجھے اے زندگی دیوانہ کر دے

جواب میں بادشاہ نے پھر جماہی لی، "ہا آ آ آ ہ ہ۔"

اس کی دیکھا دیکھی پہلے ایک وزیر نے، پھر دوسرے نے، اس کے بعد سب درباری جماہیاں لینے لگے۔

بادشاہ اپنے بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور بولا، "میرے ملک میں ہر شہر اور ہر گاؤں میں منادی کروا دی جائے کہ جو لوگ ہنسنا ہنسانا جانتے ہوں اور اپنی دِل چسپ اور مضحکہ خیز حرکتوں سے لوگوں کو ہنسنے پر مجبور کر سکتے ہوں، وہ شاہی محل میں پہنچ جائیں۔ شاید ان کی دِل چسپ باتوں اور حرکتوں سے میری اُداسی دُور ہو جائے اور میں بھی ہنسنے مُسکرانے لگوں۔"

سب درباری اور وزیر جُھک جُھک کر آداب بجا لائے اور بادشاہ غمگین شاہ کا فرمان پورا کرنے کے لیے چل پڑے۔

بادشاہ کے محل سے بہت دُور، پہاڑی کے دامن میں ایک جھونپڑی تھی۔ اُس میں ایک چرواہا اپنی بیوی اور دس بچّوں کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کی آمدنی بہت تھوڑی تھی، لیکن وہ سب رُوکھی سوکھی کھا کر بھی ہمیشہ خوش و خرم رہتے تھے۔ وہ اتنے خوش تھے کہ ان کے چہرے گلاب کی طرح تر و تازہ اور کھِلے ہوئے رہتے۔ دیکھنے والے بھی اُن کے ہنستے مسکراتے چہرے دیکھ کر خوش ہو جاتے۔ ان میں سب سے زیادہ خوب صورت اور ہنس مُکھ بڑی بیٹی تھی۔ اُس کی نیلی نیلی آنکھیں ہر وقت خوشی سے

چمکتی رہتیں اور اس کے معصوم اور خوب صورت چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی رہتی۔ وہ نیک دل اور خوش باش لڑکی ہر وقت گاتی اور گنگناتی رہتی۔ اسی لیے سب لوگ اُسے مینا کہتے تھے۔ اس کی ہنسی سُن کر اُداس اور رنجیدہ لوگ بھی ہنسنے لگتے اور اس کا خوشی اور مسرت سے بھرپور قہقہہ سُن کر غمگین اور دُکھیارے لوگ اپنا رنج و غم اور دُکھ درد بھول کر قہقہے لگانے لگتے۔ سچ ہے کہ ایک افسردہ دِل بہت سے لوگوں کو رنجیدہ کر دیتا ہے اور ایک زندہ دل، لوگوں میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے۔

خدا کا کرنا یہ ہوا کہ چرواہے کے گھر ایک اور بچّہ پیدا ہوا۔ وہ بہت فکرمند ہوا، کیوں کہ اس بچّے کی پرورش کے لیے اس کے پاس پیسہ نہیں تھا۔

چرواہے کی بیوی بولی، "اوہ خدایا، اب ہم کیا کریں؟ گھر میں دس بچّوں کا گزارا مشکل سے ہو رہا تھا کہ یہ گیارھواں بچّہ بھی آگیا۔"

مینا قہقہہ لگا کر بولی، "امّی جان، آپ کوئی فکر نہ کیجیے۔ میں اب بڑی ہو گئی ہوں، اس لیے میں دنیا میں گھوموں پھروں گی اور اپنی روزی اپنے آپ پیدا کروں گی۔"

پہلے پہل تو مینا کے ماں باپ نے اس کی بات پر کوئی توجّہ نہ دی۔ مینا بھی ارادے کی پکّی تھی۔ وہ ہنس ہنس کر اپنی بات دہراتی رہی۔ آخر اس کے ماں باپ نے اُسے جانے کی اجازت دے دی۔

اگلے دن مینا نے اپنے کپڑوں کو گٹھری میں باندھا، کھانے پینے کا کچھ سامان لیا اور گُنگناتی ہوئی دُنیا کی سیر کے لیے روانہ ہو گئی۔

وہ بہت دُور دراز علاقوں میں گھومتی پھرتی ایک ایسی جگہ جا پہنچی جہاں ایک پتّھر کی تختی پر لکھا ہوا تھا:

"ملک تاشفند — اعلاحضرت غمگین شاہ اُداس کے ملک کی سرحد یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ خبردار، ہنسنا مسکرانا بالکل منع ہے!"

مینا چہک کر بولی، "ارے واہ، اعلاحضرت غمگین بھی ہیں اور اُداس بھی۔ خدا جانے، اُن کی رعایا کا کیا حال ہوگا؟ چاہے کچھ بھی ہو، میں اس کے ملک کی سیر ضرور کروں گی۔"

محافظوں نے دروازہ کھولا۔ مینا شہر میں داخل ہوئی۔ وہ ان کے افسردہ چہروں کو دیکھ کر بولی،

"اوہو، یہاں کیسا سوگوار ماحول ہے۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ لوگ اتنے رنجیدہ کیوں ہیں؟"

ایک پہرے دار بولا، "بی بی، ہم اس لیے رنجیدہ اور اُداس ہیں کہ ہمارا بادشاہ رنجیدہ اور اُداس رہتا ہے۔ اگر کسی نے اُسے نہیں ہنسایا تو بہت جلد مَر جائے گا۔"

مینا ہنس کر بولی، "عجیب بات ہے بھئی، آخر تمھارے بادشاہ کو ایسی کیا بیماری لاحق ہے؟"

پہرے دار بولا، "ہمارے بادشاہ کو ہنسی نہیں آتی۔ وہ ہر وقت بستر پر لیٹا ہوا جماہیاں لیتا رہتا ہے۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے درباری اور وزیر بھی روتے بسورتے رہتے ہیں۔"

مینا بولی، "تمھارے بادشاہ کا حال سُن کر مجھے بہت افسوس ہوا۔"

دوسرا پہرے دار بولا، "اُس نے ملک کے گوشے گوشے سے ایسے لوگ بُلوائے ہیں جو اپنی دل چسپ باتوں اور ہنسانے والی حرکتوں سے اُسے ہنسا سکیں۔ وہ لوگ بادشاہ کا دِل بہلانے اور اُسے ہنسانے کی پوری پوری کوشش کر رہے ہیں، لیکن ابھی تک کوئی بھی کام یاب نہیں ہو سکا۔"

مینا بولی، "کیا میں بھی یہ کوشش کر کے دیکھوں؟"

پہرے دار بولا، "بے شک، آپ کو اجازت ہے، لیکن آپ جیسی نَوعُمر لڑکی بادشاہ کو ہنسانے کے لیے کچھ نہیں کر سکتیں۔ بڑے بڑے بھانڈ اور مسخرے اسے ہنسانے میں ناکام رہے ہیں۔ دراصل بادشاہ بہت ہی خشک مزاج، سنجیدہ اور رُوکھی طبیعت کا مالک ہے۔"

جب مینا محل میں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ بہت سے لوگ صحن میں جمع ہیں۔ وہ لوگ بادشاہ کو ہنسانے کے لیے آئے تھے۔ مینا کے پاس ہی ایک مداری بندر کو گود میں لیے ہوئے کھڑا تھا۔ جب بندر کوئی کرتب دکھاتا تو مداری کہتا، "دیکھو، میرا بندر کیسی مضحکہ خیز حرکتیں کر رہا ہے۔ مجھے یقین ہے بادشاہ اس کی حرکتیں دیکھ کر ضرور ہنسے گا۔"

اُس کے پاس ہی ایک موٹا سا مسخرا کھڑا تھا۔ وہ ناک سکوڑ کر بولا، "چھی چھی چھی۔ یہ بندر کسی کو کیا ہنسائے گا۔ اصل تماشا تو میں دکھاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنی ٹوپی اُتار دی، ایک چھوٹی سی چُوہیا پُھدکتی ہوئی اس کے ہاتھ پر چڑھ گئی اور تھرک تھرک کر ناچنے لگی۔

مسخرا بولا، "مجھے یقین ہے کہ بادشاہ چوہیا کا ناچ دیکھ کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو

بادشاہ کو ہنسانے کے لیے مسخرا، مینا اور مداری خواب گاہ کے باہر انتظار کرتے رہے۔

جائے گا۔"

مینا نے دِل میں سوچا، "مجھے نہ تو بھانڈ اور مسخروں کی طرح نقلیں اُتارنی آتی ہیں اور نہ میرے پاس یہ کھیل تماشے ہیں۔ پھر میں بادشاہ کو کیسے ہنسا سکوں گی؟ میرا خیال ہے کہ مجھے یہاں سے چلا جانا چاہیے۔"

لیکن مینا کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ غمگین شاہ کو ایک نظر دیکھ لے۔ اس لیے وہ وہاں ٹھیر گئی۔

ایک ایک کر کے سب لوگ بادشاہ کی خواب گاہ میں گئے اور مایوس ہو کر سَر جُھکائے ہوئے واپس لوٹ آئے۔ ایک شخص نے تو یہاں تک کہا کہ پتّھر کو جونک لگ سکتی ہے، لیکن بادشاہ کو ہنسانا بالکل ناممکن بات ہے۔"

ایک اور شخص بولا، "میری باتیں سُن کر مُردے بھی ہنسنا شروع کر دیتے ہیں، لیکن یہ بادشاہ کس مٹّی کا بنا ہوا ہے کہ اس پر کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا۔"

آخر مداری کی باری آگئی۔ وہ اپنے بندر کو ساتھ لے کر بادشاہ کی خواب گاہ میں داخل ہوا۔ اس نے جُھک کر بادشاہ کو سلام کیا اور بولا "عالی جاہ، دیکھیے میرا بندر کتنی دل چسپ اور مضحکہ خیز حرکتیں کرتا ہے۔ لوگ ہنستے ہنستے لوٹن کبوتر بن جاتے ہیں۔"

غمگین شاہ نے ایک لمبی سی جماہی لی، ہہاآآآآآہ ہ۔

اسے دیکھ کر بندر والے نے بھی ایک جماہی لی۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ چلّا کر بولا "نکل جاؤ یہاں سے لوٹن کبوتر۔ تم مجھے کیا ہنساؤ گے۔ تم تو خود ہی جماہیاں لے رہے ہو۔"

اس کے بعد موٹے مسخرے کی باری تھی۔ اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی ہنسنے ہنسانے والا کرتب دکھاتا، بادشاہ نے ایک لمبی جماہی لی۔ اُسے دیکھ کر مسخرا بھی منھ پھاڑ کر جماہیاں لینے لگا۔

بادشاہ غصّے سے دہاڑا "اس کم بخت کو باہر نکالو، جو شخص خود جماہیاں لے رہا ہو، وہ مجھے کیا ہنسائے گا۔ میرا تو مرض ہی لاعلاج ہے۔ یہ کیسا افسردہ اور سوگوار ماحول ہے۔ میں تو اس دنیا سے عاجز آگیا ہوں۔ ایسی پھیکی، اُکتا دینے والی زندگی سے موت بہتر ہے، لیکن موت بھی تو نہیں آتی۔"

درباری شاعر ہاتھ جوڑ کر بولا "عالم پناہ، کیا عمدہ بات کہی ہے آپ نے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو:

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی

بادشاہ نے بہت حسرت سے کہا "کاش کوئی میرے اس مرض کا علاج کر سکتا۔"

ایک وزیر نے بہت ادب سے کہا "عالی جاہ، ایک چھوٹی سی لڑکی صحن میں کھڑی ہے۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتی ہے۔"

بادشاہ نے مایوسی سے سَر ہلا کر کہا "اسے بھی بھیج دو، جب بڑے بڑے نقّال اور مسخرے مجھے نہ ہنسا سکے تو یہ چھوٹی سی لڑکی کیا کر سکے گی؟"

وزیر جُھک کر آداب بجا لایا اور خواب گاہ سے باہر چلا گیا اور مینا کو ساتھ لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ بادشاہ نے اُسے دیکھ کر ایک لمبی جماہی لی۔ مینا نے پہلے کبھی ایسی دل چسپ بات

نہیں دیکھی تھی۔ ایک بہت بڑے ملک کا بادشاہ مسہری پر لیٹا ہوا جماہیاں لے رہا تھا۔ یہ دل چسپ منظر دیکھ کر مینا ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئی۔ مینا کی ہنسی زندگی سے بھرپور تھی۔ اُس کا قہقہہ سُن کر غمگین بادشاہ بستر سے اُٹھ بیٹھا اور مینا کو حیرت سے دیکھنے لگا۔ اُس نے پھر ایک لمبی جماہی لی۔

مینا کے دل میں خیال آیا کہ دنیا میں ایک بادشاہ ایسا بھی ہے جس کا کام صرف جماہیاں لینا ہے۔ یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہے۔ مینا پر پھر ہنسی کا دورہ پڑا اور اتنا ہنسی، اتنا ہنسی کہ اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اُسے ہنستا دیکھ کر دونوں وزیر بھی ہنسنے لگے۔ وہ بھی اتنا ہنسے، اتنا ہنسے کہ زندگی میں پہلے کبھی نہ ہنسے ہوں گے۔

بادشاہ کبھی ایک وزیر کو دیکھتا کبھی دوسرے کو۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ وہ بھی ہنسنے لگا۔ اس کے قہقہے اتنے پُرمسرت اور زندگی سے بھرپور تھے کہ باہر کھڑے ہوئے لوگ بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔

مینا کی زندگی سے بھرپور ہنسی سُن کر بادشاہ اور وزیر بھی قہقہے لگا کر ہنسنے لگے۔

ہر شخص قہقہے لگا رہا تھا۔ کچھ لوگ یہ خوش خبری سُنانے کے لیے اِدھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ ہر طرف یہی دھوم مچی ہوئی تھی کہ بادشاہ ہنس رہا ہے، بادشاہ قہقہے لگا رہا ہے۔
جب بادشاہ دِل کھول کر قہقہے لگا چکا تو اس نے کہا "اب میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔ لڑکی، تم یہیں میرے پاس رہو گی تاکہ تم اسی طرح ہنستی ہنساتی رہو اور دوبارہ مجھ پر اُداسی کا دورہ نہ پڑے۔"
بادشاہ نے مینا کو اپنی بیٹی بنا لیا۔ اب اس کو ہنسنا آ گیا تھا اور وہ دنیا کا سب سے زیادہ خوش و خرّم بادشاہ بن گیا۔

معلوماتِ پاکستان

- ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء میں قراردادِ پاکستان منظور ہوئی۔
- پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء (۲۷ رمضان المبارک) کو وجود میں آیا۔
- پاکستان کے بانی حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح ہیں۔
- پاکستان کے پہلے گورنر جنرل قائدِ اعظم محمد علی جناح تھے۔
- پاکستان کے پہلے صدر سکندر مرزا تھے۔
- پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم اور وزیرِ دفاع قائدِ ملّت لیاقت علی خان تھے۔
- پاکستان کے پہلے وزیرِ خارجہ چودھری ظفر اللہ خان تھے۔
- پاکستان کے پہلے وزیرِ تعلیم جناب فضل الرحمن تھے۔
- پاکستان کے پہلے وزیرِ خزانہ غلام محمد تھے۔
- پاکستان کا قومی پُھول چنبیلی کا پھول ہے۔
- پاکستان کا قومی کھیل ہاکی ہے۔
- پاکستان کا قومی ترانہ جناب حفیظ جالندھری نے لکھا۔
- پاکستان کے قومی شاعر علّامہ شیخ محمد اقبال ہیں۔
- پاکستان کی قومی زبان اردو ہے۔
- پاکستان کا پہلا دارالحکومت کراچی تھا۔

مرسلہ: محمد ایوب مغل، شہداد پور

پیارے بچو! جاگو جگاؤ، علم حاصل کرو اور علم کی شمع ہاتھ میں لے کر دوسروں تک علم کی روشنی پہنچاؤ۔ علم حاصل کرنا اور دوسروں تک علم کی روشنی پہنچانا بڑا مقدس فریضہ ہے۔ حکیم محمد سعید

س: یورینیم کس قسم کی دھات ہے اور وہ پاکستان میں کہاں پائی جاتی ہے؟
مہربان اعظم، ڈیرہ اسمٰعیل خاں

ج: بعض دھاتوں میں قدرتی طور پر یہ صِفت پائی جاتی ہے کہ اُن سے خود بہ خود ہر وقت کچھ شعاعیں پھوٹتی رہتی ہیں۔ جو ہمیں نظر تو نہیں آتیں، لیکن اُن میں بے شمار ذرّات چھُپے ہوتے ہیں۔ ان شعاعوں کی قوت بھی بہت زیادہ ہوتی ہے اور وہ ہمارے جسم کے لیے مُضر بھی ہوتی ہیں۔ ایسی دھاتیں تاب کار کہلاتی ہیں۔ انگریزی میں انھیں ریڈیو ایکٹو کہتے ہیں اور یہ عمل تاب کاری یا ریڈیو ایکٹِوٹی کہلاتا ہے۔ یورینیم بھی ایسی ہی ایک تاب کار دھات ہے جسے ایٹم بم بنانے میں استعمال کیا گیا۔ ہمارے ملک میں ڈیرہ غازی خاں اور بلوچستان کے بعض علاقوں میں اس کے کچھ ذخائر ملے ہیں۔

س: موسم سرد اور گرم کس طرح ہو جاتا ہے؟
محمد شفیق، ملتان چھاؤنی

ج: یہ تو آپ نے جغرافیہ میں پڑھا ہی ہو گا کہ موسم زمین کے سورج کے چاروں طرف گردش کرتے رہنے کی وجہ سے بدلتے ہیں۔ ہماری زمین اپنے محور پر بھی گھومتی ہے، جس سے ہمارے دن رات بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ سورج کے چاروں طرف بھی گھومتی ہے اور ۳۶۵ دن میں ایک چکّر پورا کر لیتی ہے۔ اس گردش کے دوران زمین کا شمالی نصف کُرہ سورج کی طرف جُھک جاتا ہے اور دوسری مرتبہ جنوبی نصف کُرہ۔ جتنا حصّہ سورج کی طرف جُھکا

رہتا ہے وہاں گرمیوں کا موسم رہتا ہے اور جتنا حصّہ سورج سے دُور رہتا ہے وہاں پر جاڑوں کا موسم رہتا ہے۔ درمیان میں بہار اور خزاں کے موسم آتے ہیں۔

س: موسم خزاں میں پتے جھڑ جاتے ہیں تو پھر پودوں کے لیے غذا کون بناتا ہے اور کیسے بنتی ہے؟
شاہد حسین، لطیف آباد

ج: موسم خزاں میں پتے جھڑ جانے کی وجہ سے پودے پژمُردہ تو ہو جاتے ہیں، لیکن بالکل ختم نہیں ہو جاتے۔ کیوں کہ انھیں اپنی جڑوں سے غذا بدستور ملتی رہتی ہے۔ پتے دھوپ کی مدد سے گیس ضرور تیار کرتے ہیں اور پودوں کو ترو تازہ بھی رکھتے ہیں، لیکن جہاں تک اُن کی غذا اور زندگی کا تعلق ہے، اس کا انحصار بہت کچھ اُن کی جڑوں پر ہوتا ہے۔ جو زمین میں گہری اُتر جاتی ہیں اور غذا کھینچتی ہیں۔

س: پسینا کیوں آتا ہے؟
نویدا احمد، زبیر بشیر، سرگودھا

ج: پسینا ہمارے جسم سے بعض نقصان رساں مادّے خارج کرنے اور ہمارے درجۂ حرارت کو معمول پر قائم رکھنے میں اہم حصّہ لیتا ہے۔ ہماری کھال میں بے شمار ننھّے سوراخ یا مسام ہوتے ہیں، جو ہمیں بہ ظاہر نظر نہیں آتے۔ اُن کا خاص کام یہی ہے کہ جسم کی رطوبت پسینے کی شکل میں اُن سے خارج ہوتی رہے۔ گرمیوں کے موسم میں زیادہ پسینہ خارج ہوتا ہے اور جاڑوں میں کم۔ گرمیوں میں ہم موسم کی سختی سے پریشان ہو جاتے ہیں، لیکن جب پسینا خارج ہو جاتا ہے اور ہوا میں اُڑ جاتا ہے تو ہمیں خنکی کا احساس ہوتا ہے اور ہم ایک حد تک سکون محسوس کرتے ہیں۔ یہ قدرت کا خودکار انتظام ہے ہمیں آرام دینے کے لیے۔

س: کیا کاربن مونو آکسائڈ گیس انسانوں کے لیے مفید ہے؟
ملک رشید، کراچی

ج: نہیں۔

س: بادلوں کے رنگ مختلف کیوں ہوتے ہیں؟ شفق کس وجہ سے پیدا ہوتی ہے؟

ج: سب سے پہلے تو یہ سمجھیے کہ بادل ہوتے کیا ہیں؟ اور بنتے کس طرح ہیں۔ اگر آپ مری یا کسی دوسرے بلند پہاڑ پر برسات کے موسم میں گئے ہیں تو آپ نے وہاں درختوں اور گھروں میں بادل گھُستے دیکھے ہوں گے۔ یہی بادل جو ہمیں زمین سے آسمان پر بہت اونچے نظر آتے ہیں، اصل میں چند ہزار فیٹ کی بلندی پر چھائے رہتے ہیں۔ پہاڑوں پر رہنے والے جانتے ہیں کہ وہ گھروں میں گھُس کر کپڑوں کو تَر کر دیتے ہیں، کیوں کہ اُن میں نمی بھری ہوتی ہے۔ سب بادلوں میں نمی نہیں ہوتی یا اگر ہوتی ہے تو یکساں نہیں ہوتی۔ بعض میں زیادہ اور بعض میں کم۔ اسی اعتبار سے اُن کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جو دھوپ کی کرنوں کے انعکاس سے وجود میں آتے ہیں۔ یعنی جب بادلوں پر دھوپ کی شعاعیں پڑتی ہیں تو وہ پلٹ کر ہماری طرف آتی ہیں اور ہمیں مختلف رنگوں کا احساس دلاتی ہیں۔ بعض بادل کالے نظر آتے ہیں تو بعض پیلے اور بعض سرخ۔ سفید روشنی میں اصل میں سات رنگ چھپے ہوتے ہیں۔ جس رنگ کی شعاعیں ہماری طرف واپس آتی ہیں ہمیں اُسی رنگ کے بادل نظر آتے ہیں، باقی رنگ اُن میں جذب ہو جاتے ہیں۔ شفق کی بھی یہی صورت ہے یعنی ڈوبتے ہوئے سورج کی ترچھی کرنیں ہمیں شفق کا احساس دلاتی ہیں۔ ہوا اور ہوا میں معلّق بے شمار ذرّات اِس عمل میں مدد دیتے ہیں، کیوں کہ اُن ذرّات سے ٹکرا کر ہی سورج کی شعاعیں اپنے مختلف رنگوں میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ اگر ہوا نہ ہو تو آسمان اور بادلوں کے یہ دل کش رنگ ہمیں نظر نہ آئیں۔ چوں کہ چاند پر ہوا موجود نہیں اس لیے وہاں سے آسمان سیاہ نظر آتا ہے اور بادلوں کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ شفق کے خوب صورت رنگ پیدا ہو سکتے ہیں۔

س: الیکٹرک جنریٹر کیا ہوتا ہے؟ اس سے بجلی کس طرح پیدا ہوتی ہے؟
شیر گل، حویلیاں، ہزارہ

ج: جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، الیکٹرک جنریٹر اُس مشین کو کہتے ہیں جس سے بجلی

پیدا کی جاتی ہے۔ وہ چھوٹا بھی ہوتا ہے اور بڑا بھی۔ اگر بجلی اور مقناطیسیت کے درمیان قدرتی طور پر ایک تعلق نہ پایا جاتا تو ہم بجلی پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ الیکٹرک جنریٹر اسی بنیادی اصول پر کام کرتا ہے۔ اُس میں ایک مقناطیس ہوتا ہے جس کے شمالی اور جنوبی قطبین کے درمیان تار کا ایک لچھا زور سے گھومتا ہے۔ اسے گھمانے کے لیے پانی کی دھار بھی استعمال کی جاتی ہے اور بھاپ بھی۔ تار کے لچھے کے اِس طرح گھومنے سے مقناطیسی خطوط تیزی سے قطع ہوتے ہیں جو شمالی قطب سے جنوبی قطب کی جانب رواں رہتے ہیں۔ اُن کے کٹنے سے برقی رو پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ایک قدرتی امر ہے۔

آئی سو ٹوپ کِسے کہتے ہیں؟ مثال دے کر سمجھائیے۔ — عمانوائیل رحمت، کراچی

قدرتی طور پر بعض تاب کار ایٹم ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کے نکلیس یا مرکزے پر نیوٹرون کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔ ہم مادّے کے چھوٹے سے چھوٹے ذرّے کو ایٹم کہتے ہیں۔ اتنا چھوٹا ہونے کے باوجود اس کے اندر کچھ اور نہایت چھوٹے ذرّات یا برقی چارج موجود ہوتے ہیں مثلاً پروٹون اور الیکٹرون وغیرہ، لیکن ایک ذرّہ ایسا بھی ہوتا ہے جس پر کسی قسم کا برقی بار موجود نہیں ہوتا۔ اُسے "نیوٹرون" کہتے ہیں اور وہ ایٹم کے مرکزی حصّے یعنی نکلیس پر ہوتا ہے۔ یورینیم دھات کے ایک ایٹم میں نیوٹرون کی تعداد ۲۳۵ ہوتی ہے لہٰذا وہ یورینیم۔ ۲۳۵ کہلاتا ہے، لیکن اُسی کے ایک اور ایٹم پر نیوٹرون کی تعداد ۲۳۸ ہوتی ہے لہٰذا وہ یورینیم۔ ۲۳۸ کہلاتا ہے۔ یہ ایک ہی دھات کے دو طرح کے ایٹم ہیں اسی لیے اُنھیں "ہم جا" یا آئی سو ٹوپ کہتے ہیں۔

س: شارک مچھلی انڈے دیتی ہے یا بچّے؟

جاوید اقبال آرائیں، سانگھڑ

ج: شارک، وھیل کی ایک قسم ہے۔ وہ انسان کی سخت دشمن ہوتی ہے۔ بچّے دیتی ہے اور انھیں اپنا دودھ پلا کر پالتی ہے۔

دو مسافر دو ملک

حکیم محمد سعید اور مسعود احمد برکاتی کے سفر انگلستان اور فرانس کے تاثرات

مسعود احمد برکاتی

اوکسفرڈ یونی ورسٹی کی عمارتیں ہمارے ہاں کی یونی ورسٹی کی طرح اکٹھی نہیں ہیں کہ ایک کے بعد دوسری عمارت ہو۔ اس یونی ورسٹی کی عمارتیں آبادی میں ملی جُلی ہیں۔ ایک کالج یا ہوسٹل ہے، اس کے برابر عام مکانات اور دُکانیں ہیں، پھر کوئی دوسرا کالج آگیا۔ اسی طرح یونی ورسٹی کی عمارتیں شہر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ یونی ورسٹی ایک بار نہیں بنی بلکہ ضرورت کے مطابق وقتاً فوقتاً کالج اور ان کی عمارتیں بنتی رہیں اور یہ سب کالج یونی ورسٹی کا حصّہ ہیں۔

یونی ورسٹی کی سیر کر چکے تو ماریسن صاحبہ کہنے لگیں میں بس سے واپس چلی جاؤں گی، آپ لوگ
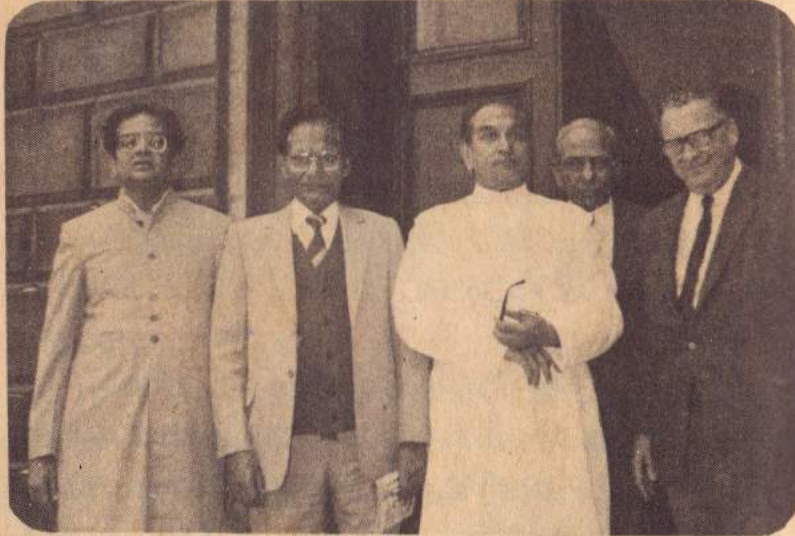
دائیں سے بائیں: پروفیسر پیٹر ایوری، یوسف حسین نقوی، حکیم محمد سعید، ڈاکٹر معزالدین اور مسعود احمد برکاتی، کیمبرج میں

مجھے گھر پہنچانے کی تکلیف نہ کریں، لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ ان کو اصرار کر کے کار میں بٹھا لیا۔ ان کے گھر پہنچے تو ڈاکٹر کیرس واڈی گھر کے باہر ہمیں خدا حافظ کہنے کے لیے انتظار میں کھڑی تھیں۔ کہنے لگیں، ایک پیالی چائے اور پیتے جائیں۔ ہم نے شکریہ ادا کیا اور اجازت لی۔

لندن میں پروفیسر رالف رسل صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی وہ کہیں گئے ہوئے تھے۔ اردو کے شیدائی اور سرگرم کارکن ہیں۔ انھوں نے اردو سیکھنے کی ابتدا ہندستان سے اپنی فوجی ملازمت کے دوران کی تھی۔ وہاں ایک سکھ اور ایک پٹھان سے اُن کو اردو سیکھنے میں مدد ملی تھی۔ وہ ۱۹۴۲ء میں دوسری جنگ کے زمانے میں کراچی بھی آئے تھے اور پاکستان ہندستان کے کئی شہروں میں رہے۔ اردو اخبارات دیکھ دیکھ کر انھوں نے اردو لکھنے کی مشق کی۔ اس میں شک نہیں کہ اخبارات نے اردو کو مقبول بنانے میں بڑا حصّہ لیا ہے۔ آج بھی اخبارات یہ کام کر رہے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اب صحافی پہلے کے صحافیوں کی سی محنت نہیں کرتے۔ رسل صاحب نے غالب اور بعض دوسرے اردو شعرا پر انگریزی میں کتابیں بھی لکھی ہیں اور اردو پڑھاتے بھی ہیں۔ وہ بہت اچھی اردو جانتے ہیں اور خوب بولتے ہیں اور خوب قہقہے لگاتے ہیں۔ وہ پاکستان بھی کئی بار آچکے ہیں۔ وہ کچھ عرصے سے انگلستان میں اردو کو رائج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جو شخص بھی اردو کی خدمت کرے وہ اپنا عزیز ہو جاتا ہے۔ رسل صاحب کو تو اردو سے اتنی محبّت ہے کہ وہ شاید انگریزی ادب سے زیادہ اردو ادب سے واقف ہو گئے ہیں۔

لندن اتنا بڑا شہر ہے اور اس میں اتنی چیزیں دیکھنے اور اتنے لوگ ملنے کے قابل ہیں کہ بہت سا وقت ہو جب اطمینان سے لندن کو سمجھا اور تلاش کیا جا سکتا ہے۔ یہاں پاکستان کے بھی لاکھوں لوگ ہیں۔ سیاسی لیڈر بھی خاصے ہیں۔ اردو ادیب شاعر بھی خاصی تعداد میں ہیں، خیر اُن سے تو اپنے وطن ہی میں ملاقات ہوگی۔

کیمبرج بھی بڑی پرانی یونی ورسٹی ہے۔ کیمبرج شہر بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ کیم (CAM) ندی کے کنارے واقع ہے۔ کیمبرج یونی ورسٹی بھی اوکسفرڈ یونی ورسٹی کی طرح یورپ کی قدیم ترین یونی ورسٹیوں میں سے ہے، جن میں طالب علموں کے ٹھیرنے کا بھی انتظام ہے۔ کیمبرج میں اٹھارہ مردانہ کالج اور دو زنانہ کالج ہیں۔ کیمبرج یونی ورسٹی کی ابتدا تیرھویں صدی عیسوی میں ہوئی تھی۔ اس کا سب سے کم عمر کالج چرچل کالج ہے جو ۱۹۶۰ء میں قائم ہوا ہے۔ یونی ورسٹی کے ہاسٹلوں میں رہنے والے

دائیں سے بائیں:- حکیم محمد سعید، مسٹر اسٹیفن، ڈاکٹر معز الدین اور یوسف حسین نقوی

طالب علموں کی تعداد کم و بیش دس ہزار ہے۔ اس کا سربراہ چانسلر ہوتا ہے، لیکن کام وائس چانسلر چلاتا ہے، جس کو اُستاد اپنے ہی میں سے دو سال کے لیے منتخب کرتے ہیں۔ یونی ورسٹی کا اپنا اشاعتی ادارہ ہے جو "کیمبرج یونی ورسٹی پریس" کہلاتا ہے اور عمدہ عمدہ معیاری کتابیں شائع کرتا ہے۔ اسی طرح "اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس" بھی ہے۔ ہمارے ہاں بہت سے لوگ "پریس" کے لفظ سے یہ سمجھتے ہیں کہ چھاپے خانہ ہوگا۔ جب سے ہمدرد اکیڈمی کا نام بدل کر "ہمدرد فاؤنڈیشن پریس" رکھا ہے بعض لوگ

سمجھنے لگے ہیں کہ ہمدرد نے اپنا پریس لگایا ہے۔

کیمبرج یونی ورسٹی نے یورپ میں علم کی روشنی پھیلانے میں بہت حصّہ لیا ہے۔ علاّمہ اقبال نے کیا خوب لکھا تھا "کیمبرج وہ سرچشمۂ علم وفضل ہے جس نے یورپی تہذیب وتمدّن کی ترکیب میں سب سے زیادہ حصّہ لیا ہے۔"

کیمبرج میں ہم ڈاکٹر معزالدین صاحب اور اسٹیفن صاحب سابق ایڈیٹر اسٹیٹسمین کے علاوہ پروفیسر پیٹر ایوری سے بھی ملے۔ ایوری صاحب یونی ورسٹی کے شعبۂ فارسی اور مشرقِ وسطیٰ کے صدر ہیں اور فارسی زبان کے علاوہ مشرقِ وسطیٰ کے حالات کے بارے میں بھی بڑی وسیع معلومات رکھتے ہیں۔ حکیم صاحب کو پہلے سے جانتے تھے۔ ان کی کتابیں پڑھ چکے ہیں۔ بہت اچھی طرح ملے۔ اپنے کالج کا گرجا دکھانے لے گئے۔ ہر کالج میں گرجا ضرور ہوتا ہے۔ گرجا اگرچہ سنسان سا تھا، لیکن عمارت اور فرنیچر بہت اعلا تھا، پھر ایوری صاحب کے دفتر میں بیٹھ کر خاصی دیر مختلف موضوعات پر باتیں ہوئیں۔ ان کے ساتھ ایک تصویر بھی کھنچوائی۔

لندن میں ایک دن صبح حکیم صاحب نے اپنی سکریٹری خانم ڈی سلوا سے فون پر بات کی اور اپنے امریکا اور کینیڈا آنے کا پروگرام بتایا۔ میں نے بھی خانم سے دُعا سلام کی۔ کہنے لگیں کہ لندن اور پیرس خوب اچھی طرح دیکھنا۔ میں نے کہا کہ وقت کم ہے اور کام بہت، مگر کوشش تو یہی ہے۔ خانم ڈی سلوا آج کل کینیڈا میں اپنے بیٹوں کے پاس ہیں۔ بہت قابل، محنتی اور ہمدرد خاتون ہیں۔ انسان دوستی میں بہت کم لوگ آج کل کے زمانے میں اُن کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ایک بہن کی طرح چاہتی ہیں۔ ہمدرد کی خدمت دِل وجان سے کرتی ہیں۔ انگریزی بہت اچھی ہے۔ کام میں لگی رہتی ہیں پھر بھی خوش مزاجی اور اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتیں۔ انھوں نے اپنے لڑکوں کو بھی اسی انداز پر اُٹھایا ہے۔ تینوں لڑکے سعادت مند اور خلیق ہیں۔

حکیم صاحب، پیرس سے امریکا ہوتے ہوئے کینیڈا جائیں گے اور انھی کے ہاں ٹھیریں گے۔ میں پیرس سے واپس پاکستان چلا جاؤں گا۔ حکیم صاحب وہاں سائنسی مراکز دیکھیں گے اور ماہرینِ تعمرات سے مشورہ کریں گے اور مدینۃ الحکمت میں جو سائنس گھر بنانا چاہتے ہیں اُس کے لیے حکیم صاحب کے ذہن میں جو منصوبہ ہے اس کے مطابق ماہرین کی رائے لیں گے۔ آج کے دور میں سائنس کی اہمیت کے پیشِ نظر پاکستان میں سائنس کا فروغ بہت ضروری ہے۔

(جاری ہے)

ماں

والدہ مرحومہ کی یاد میں

طاہر احمر

وطن سے بہت دُور تو جا کے سوئی
زمیں میں نئی روشنی تُو نے بوئی
ترے پاؤں آنکھوں سے اپنی لگاتا
یہ قسمت کہاں تھی کہ میں تجھ کو پاتا
کہاں تیرے اشکوں کا اب آبِ زمزم
تری ہر دُعا تھی کہ زخموں کا مرہم
دُعا اب ہمیں کون راتوں کو دے گا
ہمارے لیے سارے دُکھ کیوں سہے گا
نگاہوں میں تیری جو تابندگی تھی
محبّت کی، شفقت کی وہ زندگی تھی
زمانے میں بس ایک سچّائی تو تھی
خدا کی زمینوں پہ اچھّائی تُو تھی
یقیں ہے مجھے تُو ہے خلد آشیانی
کرے باغِ جنّت میں تو باغ بانی
مقدّس تو شمعِ حرم کی طرح ہے
فروزاں خدا کے کرم کی طرح ہے
خداوندِ عالم کا سایہ ہو تجھ پر
نبیؐ کی شفاعت کی چھایا ہو تجھ پر

اخبارِ نونہال

اکثر نونہال جو خبریں بھیجتے ہیں، اُن کے ساتھ اخبار یا رسالے کا تراشہ نہیں بھیجتے نہ اخبار، رسالے یا کتاب کا نام لکھتے ہیں، اس لیے اُن کی خبریں اچھی ہونے کے باوجود شائع نہیں کی جاسکتیں۔ نونہالوں سے درخواست ہے کہ وہ ہر خبر کا اوّل تو کوشش کریں کہ تراشہ ساتھ لگائیں جس پر اخبار وغیرہ کا نام بھی لکھا ہو۔ اگر تراشہ نہ بھیج سکیں تو کتاب، اخبار یا رسالے کا نام اور تاریخ ضرور لکھا کریں۔ بات یہ ہے کہ ہم ہمدرد نونہال میں کوئی ایسی چیز شائع نہیں کرنا چاہتے جس کی کوئی سند یا حوالہ نہ ہو، کیوں کہ ہمدرد نونہال کے سب پڑھنے والے اس رسالے پر اعتبار کرتے ہیں اور اس میں چھپی ہوئی ہر چیز کو صحیح سمجھتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھیے کہ آپ کی ہر تحریر کاغذ کے صرف ایک طرف ہو اور آپ کا پورا پتا اس پر لکھا ہو۔ شکریہ۔

درخت یا روشنی کا مینار

ایک چینی کسان کو ایک ایسا درخت ملا ہے جس سے اتنی روشنی پھوٹتی ہے کہ رات کے وقت اس کا گھر روشن ہو جاتا ہے۔ نیو چائنا خبر ایجنسی کے مطابق ہونان کے کسان لیو فیوگوٹی نے جب ایک درخت کی چھال اُتاری تو اسے نیلے رنگ کی روشنی نکلتی نظر آئی جو ۸ واٹ کی ٹیوب لائٹ کی روشنی کے برابر ہوگی۔ درخت خشک ہونے پر اس کی روشنی کم ہونے لگی، لیکن جب اسے پانی دیا گیا تو اس کی روشنی پھر تیز ہوگئی۔ سائنس داں اس روشنی کا معما حل کرنے کے لیے تحقیقات کر رہے ہیں۔

حیرت انگیز ماچس

روس کے ایک انجینئر نے حال ہی میں ایک ایسی حیرت انگیز ماچس تیار کی ہے جو کبھی ختم نہ ہو سکے گی۔ یہ ماچس پلاسٹک کی ایک ڈبیا ہے جس کے دو خانے ہیں۔ ایک خانے میں فوراً آگ پکڑنے والا (آتش گیر) مادہ ہے اور دوسرے خانے میں مقناطیسی سرے والی ایک کیل ہے جو ڈبیا کے باہر لگے ہوئے بٹن کو دباتے ہی ڈبیا کے دوسرے حصّے سے ٹکراتی ہے جس سے فوراً ایک شعلہ پیدا ہوتا ہے، جب بٹن سے اُنگلی ہٹائی جائے تو شعلہ بُجھ جاتا ہے۔ ممکن ہے کچھ عرصے بعد یہ ماچس پاکستان سمیت دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی پہنچ جائے۔

مرسلہ: ذوالفقار علی مصوّر، کوٹ مٹھن

کھودا پہاڑ نکلا چوہا

سری لنکا کے شہر بلاتیا کے ایک بینک میں شام کو اچانک خطرے کے الارم بجنا شروع ہو گئے۔ پولیس تمام تر کوشش کے باوجود نقب زن کا سراغ نہ لگا سکی، کیوں کہ نہ کوئی دیوار ٹوٹی تھی، نہ دروازہ اور نہ کوئی قفل۔ طویل تلاش کے بعد مجرم بینک کی چھت پر دیکھا گیا۔ وہ فرار ہو گیا اور اسے گرفتار نہیں کیا گیا، کیوں کہ مجرم ایک چوہا تھا جس نے الارم کا تار کُتر دیا تھا۔

مرسلہ: سلیم احمد بٹ، کراچی

پلاسٹک کا مکان

سائنس داں ایسے پلاسٹک کے مکانات بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں جن کی دیواریں بٹن دبانے سے روشن ہو جائیں گی۔ یہ روشنی مکان میں مچھروں اور دوسرے کیڑے مکوڑوں کو داخل نہیں ہونے دے گی۔ مکان کی دیواروں پر ہی فلم اور ٹیلے وژن کے پروگرام دیکھے جا سکیں گے۔ یہ مکانات سردی اور گرمی کی شدّت سے محفوظ ہوں گے۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ آئندہ دس بارہ سال میں وہ ایسے پلاسٹک کے مکان بنانے میں کام یاب ہو جائیں گے۔

مرسلہ: فرح نذر، لاہور کینٹ

"جناب والا، تین ماہ سے جیل میں پانی نہیں آرہا
ہے۔ ایسی صورت میں میں اپنی صفائی کے بارے
میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"
"تم اپنی صفائی میں کیا کہتے ہو؟"

"..... اور ڈاکٹر صاحب! مجھے بھوک بھی نہیں
لگتی۔ جس کی وجہ سے....."
"ارے بابوجی! اتنی سی بات کے لیے
آپ ڈاکٹر صاحب کے پاس چلے آئے۔ مجھے اپنا
گھر بتا دیں، میں آپ کے حصّے کا کھانا ضائع نہیں
ہونے دوں گا۔"

ہمدرد گھٹّی
بچّوں کے نظامِ ہضم کے لئے ایک قدرتی دوا
چنیدہ نباتات سے صدیوں پرانے اصولوں پر تیار کردہ ہمدرد گھٹّی نومولود
بچّوں کا پیٹ صاف کرنے کے لئے ایک قدرتی دوا ہے۔ انتہائی
خوش ذائقہ ہمدرد گھٹّی بچّوں کو گیس، قبض اور پیٹ کی بہت سی
دوسری تکلیفوں سے محفوظ رکھتی ہے۔
خوش ذائقہ
ہمدرد گھٹّی
ہمدرد
ہمدرد گھٹّی